Mabeen Ahmad

سلسلۂ

ناموران اسلام

الفاروق

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مفصل سوانح عمری کا

حصّہ اوّل

جس میں حضرت عمر رض کے نام ونسب اور ولادت سے لیکر وفات تک کے حالات
اور فتوحات بالتفصیل درج ہیں

مؤلفہ

شبلی نعمانی

حسب اجازت سید حسن شاہ صاحب مہتمم اتحاد لکھنؤ
سید ظہور الحسن مالک اخبار قومی رفیق و کارخانہ احسن التجارت دہلی کٹرہ نظام الملک نے
اپنے قومی پریس دہلی میں ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء چھپائی

حصۂ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے ہمہ در پردہ نہاں رازِ تو　　بے خبر انجام ز آغازِ تو

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ علیٰ رسولہ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

تمہید تاریخ کا مختصر

تمدن کے زمانے میں جو علوم و فنون پیدا ہو جاتے ہیں اُن میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جنکا ہیولے پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ تمدن کے زمانے میں وہ ایک موزوں قالب اختیار کر لیتا ہے اور پھر ایک خاص نام یا لقب سے مشہور ہو جاتا ہے۔ مثلاً استدلال اور اثبات مدعا کے طریقے ہمیشہ سے موجود تھے اور عام و خاص سب اُن سے کام لیتے تھے، لیکن جب ارسطو نے ان جزئیات کو ایک خاص وضع سے ترتیب دیا تو اُس کا نام منطق ہو گیا اور وہ ایک مستقل فن بنگیا۔ تاریخ و تذکرہ بھی اسی قسم کا فن ہے۔ دُنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا۔ تاریخ و تذکرے بھی ساتھ ساتھ تھے کیونکہ فخر و ترجیح کے موقعوں پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کرتے تھے۔ تفریح اور گرمی صحبت کے لیے مجالس میں پچھلی لڑائیوں اور معرکوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا۔ باپ دادا کی تقلید کے لیے پرانی عادات و رسوم کی یادگاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں، اور یہی چیزیں تاریخ و تذکرہ کا سرمایہ ہیں۔ اس بنا پر عرب۔ عجم۔ ترک۔ تاتار۔ ہندی۔ افغانی۔ مصری۔ یونانی۔ غرض دنیا کی تمام قومیں فنِ تاریخ کی قابلیت میں ہمسری کا یکساں دعوے کر سکتی ہیں۔

عرب کی خصوصیت

لیکن اس عموم میں عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں بعض خاص خاص

باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جنکو تاریخی سلسلے سے تعلق تھا اور جو اور قوموں میں نہیں پائی جاتی تھیں
مثلاً **انساب** کا چرچا جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباو اجداد کے نام اور اُن کے رشتے ناتے
دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا، یہاں تک کہ انسانوں سے گزر کر گھوڑوں اور اونٹوں
کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے یا **ایام العرب** جسکی بدولت عکاظ کے سالانہ میلے میں قومی
کارناموں کی روایتیں سلسلہ بسلسلہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں تک پہنچ جاتی تھیں، یا **شاعری** جسکا
یہ حال تھا کہ اُونٹ چرانے والے بدّو جنکو لکھنے پڑھنے سے کچھ سروکار نہ تھا، اپنی زبان آوری کے
سامنے تمام عالم کو ہیچ سمجھتے تھے اور درحقیقت جس سادگی اور اصلیت کے ساتھ وہ واقعات اور جذبات
کی تصویر کھینچ سکتے تھے دنیا میں کسی قوم کو یہ بات کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

اس بنا پر عرب میں جب تمدن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تاریخی تصنیفات وجود میں آئیں۔ اسلام سے
بہت پہلے بادشاہانِ حیرہ نے تاریخی واقعات قلمبند کرائے اور وہ مدت تک محفوظ رہے چنانچہ ابن ہشام
نے کتاب التیجان میں تصریح کی ہے کہ میں نے ان تالیفات سے فائدہ اُٹھایا۔ اسلام کے عہد میں زبانی (عرب میں تاریخ کی ابتدا)
روایتوں کا ذخیرہ ابتدا ہی میں پیدا ہو گیا تھا لیکن چونکہ تصنیف تالیف کا سلسلہ عموماً ایک مدت کے بعد
قائم ہوا اس لئے کوئی خاص کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی۔ لیکن جب تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا تو
سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی۔

امیر معاویہ المتوفی ۶۰ھ کے زمانے میں عبید بن شریہ ایک شخص تھا جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا
تھا، اور اُسکو عرب و عجم کے اکثر معرکے یاد تھے۔ امیر معاویہ نے اُسکو صنعا سے بُلایا اور کاتب اور محرر
متعین کئے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلمبند کرتے جائیں۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اس
کی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کتاب کا نام کتاب الملوک و اخبار الماضیین لکھا ہے غالباً
یہ وہی کتاب ہے جسکا مسودہ امیر معاویہ کے حکم سے طیار ہوا تھا۔ عبید کے بعد، عوانۃ بن الحکم المتوفی ۱۴۷ھ

کا نام ذکر کے قابل ہے جو اخبار و انساب کا بڑا ماہر تھا اس نے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنو امیہ اور امیر معاویہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی۔ ۱۳۲ھ میں ہشام بن عبد الملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا، اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔

سیرۂ نبوی میں سب سے پہلی تصنیف

۱۴۳ھ میں جب تفسیر، حدیث، فقہ، وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ محمد بن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ نے منصور عباسی کے لئے خاص سیرۂ نبوی پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ ہمارے مؤرخین کا دعوےٰ ہے کہ فن تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ نے آنحضرت کے مغازی قلم بند کئے تھے۔ موسیٰ نہایت ثقہ اور محتاط شخص تھے اور صحابہ کا زمانہ پایا تھا اسلئے اُن کی یہ کتاب محدثین کے دائرے میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔[1]

اسکے بعد فن تاریخ نے نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مؤرخ پیدا ہوئے جن میں ابو مخنف، کلبی، واقدی زیادہ مشہور ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً کلبی نے افواج اسلام، قریش کے پیشے، قبائل عرب کے مناظرات، جاہلیت اور اسلام کے احکام کا توارد، ان مضامین پر مستقل رسالے لکھے۔ رفتہ رفتہ اس سلسلے کو نہایت وسعت ہوئی۔ یہاں تک کہ چوتھی صدی تک ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا۔ اور بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جدا تھا۔

اس دور میں بے شمار مؤرخ گزرے۔ ان میں جن لوگوں نے بالتخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے حالات میں کتابیں لکھیں اُنکی مختصر سی فہرست یہ ہے۔

قدیم مؤرخین

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
نجیح مدنی	غزوات نبوی	
نصر بن مزاحم کوفی	کتاب الجمل یعنی حضرت علیؓ اور عائشہؓ کی لڑائی کا حال۔	

۱؎ موسیٰ بن عقبہ کے لئے تہذیب التہذیب و مقدمہ فتح الباری شرح صحیح بخاری دیکھو۔

نام مصنّف	تصنیف	کیفیت
سیف بن عمر الاسدی	کتاب الفتوح الکبیر	نہایت مشہور مؤرخ ہے۔
معمر بن راشد کوفی	کتاب المغازی۔	امام بخاری کے اُستاد الاستاد تھے۔
عبداللہ بن سعد زہری المتوفی سنہ ۲۳۰ھ	فتوحات خالد بن الولید۔	
ابو البختری وہب بن وہب	کتاب صفۃ النبی صلعم و کتاب فضائل الانصار۔	سنہ ۲۰۰ھ میں انتقال کیا۔
ابو الحسن علی بن محمد بن عبداللہ المدائنی۔ المتوفی سنہ ۲۲۴ھ		اسنے آنحضرت اور خلفاء کے حالات میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کیے۔
احمد بن حارث خزاز	کتاب المغازی۔ اسماء الخلفاء و کتّابہم	مدائنی کا شاگرد تھا
عبدالرحمن بن عبدہ	مناقب قریش۔	نہایت ثقہ اور معتمد مؤرخ تھا
عمر بن شبہ المتوفی سنہ ۲۶۲ھ	کتاب اُمراء الکوفۃ۔ کتاب امراء البصرۃ	مشہور مؤرخ ہے۔

زمانہ کی جو تصنیفات آج موجود ہیں

اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہیں لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں یا اس کے بعد قریب تر زمانے میں لکھی گئیں۔ اُن میں ان تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے چنانچہ ہم اُن کے نام اُن کے مصنّفین کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ المتولد سنہ ۲۱۳ھ والمتوفی سنہ ۲۷۶ھ۔ یہ نہایت نامور اور مستند مصنّف ہے۔ محدثین بھی اسکے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں۔ تاریخ میں اسکی مشہور کتاب معارف ہے جو مصر وغیرہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن اسمیں ایسے مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری المتوفی سنہ ۲۸۲ھ۔ یہ بھی مشہور مصنف ہے۔ تاریخ میں اسکی کتاب کا نام الاخبار الطوال ہے۔ اس میں خلیفہ معتصم باللہ تک کے حالات ہیں، خلفاء راشدین کی فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں بمقام لیدن سنہ ۱۸۸۸ء میں چھپی ہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی۔ المتوفی سنہ ۲۳۰ھ نہایت ثقہ اور معتمد مؤرخ ہے، اگرچہ اسکا استاد واقدی ضعیف الروایۃ ہے، لیکن خود اسکے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ اُسنے ایک کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ و تابعین و تبع تابعین کے حالات میں نہایت بسط و تفصیل سے دس۱۰ بارہ۱۲ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر بہ سند لکھا ہے یہ کتاب طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے اسکا قلمی نسخہ دیکھا ہے، اب جرمن میں بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی۔ یہ تیسری صدی کا مؤرخ ہے۔ مجکو اس کے حالات رجال کی کتابوں میں نہیں ملے۔ لیکن اس کی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے چونکہ اسکو دولت عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا اسلیئے تاریخ کا اچھا سرمایہ بہم پہنچا سکا ہے۔ اس کی کتاب جو **تاریخ یعقوبی** کے نام سے مشہور ہے۔ یورپ میں بمقام لیدن سنہ ۱۸۸۳ء میں چھاپی گئی ہے۔

احمد بن یحیٰی **البلاذری** المتوفی سنہ ۲۷۹ھ ابن سعد کا شاگرد اور المتوکل باللہ عباسی کا درباری تھا اس کی وسعت نظر، اور صحت روایت۔ محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے، تاریخ و رجال میں اسکی دو کتابیں مشہور ہیں۔ فتوح البلدان۔ انساب الاشراف۔ پہلی کتاب کا یہ طرز ہے۔ کہ بلاد اسلامیہ میں سے ہر ہر صوبہ یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کیئے ہیں، اور اُن کے متعلق ابتدائے فتح سے اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہیں۔ دوسری کتاب تذکرے کے طور پر ہے جسمیں حضرت عمرؓ کے حالات بھی ہیں۔ فتوح البلدان یورپ میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔ اور انساب الاشراف کا قلمی نسخہ قسطنطنیہ میں میری نظر سے گزرا ہے۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی سنہ ۳۱۰ھ یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں چنانچہ ائمہ اربعہ

کے ساتھ لوگوں نے انکو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انھوں نے ایک نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں بمقام لیدن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔

ابوالحسن علی بن حسین **مسعودی** المتوفی ۳۴۶ھ فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اسکی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت نہ ہوتی، لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بدمذاقی سے اس کی اکثر تصنیفات ناپید ہوگئیں۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ۔ مروج الذہب مصر میں بھی چھپ گئی ہے۔

متاخرین کا دور

یہ تصنیفات جس زمانے کی ہیں وہ قدما کا دور کہلاتا ہے۔ پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے جو فن تاریخ کے تنزل کا پہلا قدم ہے۔ متاخرین میں اگرچہ بے شمار مورخ گزرے جن میں سے ابن الاثیر۔ سمعانی۔ ذہبی۔ ابوالفدا۔ نویری۔ سیوطی۔ وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ من حیث الفن کوئی احسان نہیں کیا۔ قدما کی جو خصوصیات تھیں، کھودیں اور خود کوئی نئی بات نہیں پیدا کی۔

قدما کی خصوصیتیں

مثلاً قدما کی ایک یہ خصوصیت تھی کہ ہر تصنیف نئی معلومات پر مشتمل ہوتی تھی متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی قدیم تصنیف سامنے رکھ لی اور بغیر اسکے کہ اسپر کچھ اضافہ کرسکیں، تغیر اور اختصار کے ساتھ اسکا قالب بدل دیا۔ تاریخ ابن الاثیر کو علامہ ابن خلکان نے من خیار التواریخ کہا ہے اور درحقیقت اسکی قبولیت عام نے قدیم تصنیفیں ناپید کر دیں، لیکن جہاں تک زمانے کا اشتراک ہے ایک بات بھی اسمیں طبری سے زائد نہیں مل سکتی اسی طرح ابن الاثیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے انھوں نے اپنی تصنیف کا مدار صرف ابن الاثیر پر رکھا و ھلم جرا۔ اس سے بڑھکر یہ کہ متاخرین نے قدما کی کتابوں کا جو اختصار کیا اس طرح کیا کہ جہاں جو بات چھوڑ دی، وہی اس تمام واقعہ کی روح تھی، چنانچہ ہماری کتاب کے دوسرے حصے میں اسکی بہت سی مثالیں آئینگی۔

قدما میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ تمام واقعات کو حدیث کی طرح بسند متصل نقل کرتے تھے۔ متاخرین نے یہ التزام بالکل چھوڑ دیا، ایک اور خصوصیت قدما میں یہ تھی کہ وہ اگرچہ کسی عہد کی معاشرت و تمدن پر جدا عنوان نہیں قائم کرتے تھے لیکن ضمناً اُن جزئیات کو لکھ جاتے تھے جن سے تمدن و معاشرت کا کچھ کچھ پتہ چلتا تھا۔ متاخرین نے یہ خصوصیت بھی قائم نہ رکھی۔

لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے۔ اُسنے فلسفۂ تاریخ کا فن ایجاد کیا اور اس پر نہ صرف متاخرین بلکہ مسلمانوں کی کل قوم ناز کر سکتی ہے۔ اسی طرح اُسکا شاگرد علامہ مقریزی بھی نکتہ چینی کے بجائے مدح و ستایش کا مستحق ہے۔

بہرحال **الفاروق** کی تالیف کے لیئے جو سرمایہ کام آسکتا تھا وہ یہی قدما کی تصنیفات تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ و تذکرے کے فن نے آج جو ترقی کی ہے اُس کے لحاظ سے یہ بے بہا خزانے بھی چنداں کارآمد نہیں۔ اِس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لیئے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ فن **تاریخ** کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے۔ تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کیئے ہیں۔ اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے اِن دونوں کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے۔" ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے "اُن واقعات اور حالات کا پتہ لگانا جن سے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گزشتہ زمانے سے کیونکر بطور نتیجہ کے پیدا ہو گیا ہے۔" یعنی چونکہ یہ مسلّم ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن معاشرت خیالات۔ مذاہب موجود ہیں۔ سب گزشتہ واقعات کے نتائج ہیں۔ جو خواہ مخواہ اُن سے پیدا ہوتے جاتے تھے اسلیئے اُن گذشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور اُن کو اِس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ ہر موجودہ واقعہ گذشتہ واقعات سے کیونکر پیدا ہوا" اسی کا نام تاریخ ہے۔

تاریخ کی تعریف

اِن تعریفات کی بنا پر تاریخ کے لیئے دو باتیں لازمی ہیں۔

تاریخ کیلئے کیا کیا چیزیں لازم ہیں

ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے۔ اُس زمانے کے ہر قسم کے واقعات قلمبند کیئے جائیں یعنی تمدن۔ معاشرت

اخلاق - عادات - مذہب - ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ مہیا کیا جائے -

دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے -

قدیم تاریخوں کے نقص اور اس کے اسباب

قدیم تاریخوں میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں - رعایا کے اخلاق - و عادات - اور تمدن و معاشرت کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں آتا - فرمانروائے وقت کے حالات ہوتے ہیں لیکن ان میں بھی فتوحات اور خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا - یہ نقص اسلامی تاریخوں تک محدود نہیں - بلکہ کل ایشیائی تاریخوں کا یہی انداز تھا - اور ایسا ہونا مقتضائے اسباب تھا - ایشیا میں ہمیشہ شخصی سلطنتوں کا رواج رہا - اور فرمانروائے وقت کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزیں ہیچ ہوتی تھیں اسکا لازمی اثر تھا کہ تاریخ کے صفحوں میں شاہی عظمت و جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ آئے اور چونکہ اس زمانے میں قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا بادشاہ کی زبان تھی - اس لیے سلطنت کے اصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بے فائدہ تھا -

واقعات میں سلسلۂ اسباب پر توجہ نہ کرنے کا بڑا سبب یہ ہوا کہ فن تاریخ ہمیشہ اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو فلسفہ اور عقلیات سے آشنا نہ تھے - اس لیے فلسفۂ تاریخی کے اصول و نتائج پر اُن کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی - یہی وجہ ہے کہ احادیث و سیر میں روایت کا پلہ ہمیشہ درایت سے بھاری رہا بلکہ انصاف یہ ہے کہ درایت سے جسقدر کام لیا گیا نہ لیے جانے کے برابر تھا - اخیر اخیر میں ابن خلدون نے فلسفۂ تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اسکے اصول و آئین منضبط کیے - لیکن اُسکو اسقدر فرصت نہ ملی کہ اپنی تاریخ میں ان اصولوں سے کام لے سکتا - اُس کے بعد مسلمانوں میں علمی تنزل کا ایسا سلسلہ قائم رہا کہ کسی نے پھر اس طرف خیال بھی نہ کیا -

ایک بڑا سبب جسکی وجہ سے تاریخ کا فن نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام قوموں میں ناتمام رہا یہ ہے کہ تاریخ میں جو واقعات مذکور ہوتے ہیں اُنکو مختلف فنون سے رابطہ ہوتا ہے - مثلاً لڑائی کے واقعات فن حرب سے - انتظامی امور قانون سے - اخلاقی تذکرے علم الاخلاق سے تعلق رکھتے ہیں - مؤرخ اگر ان تمام علوم کا ماہر ہو تو واقعات کو علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے ورنہ اُسکی نظر اسی قسم کی سرسری اور سطحی ہوگی جیسی کہ ایک عامی

کی ہوسکتی ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ اگر کسی عمدہ عمارت پر ایک ایسے واقعہ نگار انشا پرداز کا گزر ہو جو انجنیری کے فن سے ناواقف ہے تو گو وہ اس عمارت کا بیان ایسے دلکش پیرایے میں کرے گا جس سے عمارت کی رفعت اور وسعت اور ظاہری حسن و خوبی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔ لیکن اگر اس کے بیان میں خاص انجنیری کے علمی اصول اور اس کی باریکیاں ڈھونڈی جائیں تو نہ مل سکیں گی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخوں میں حالات جنگ کے ہزاروں صفحے پڑھکر بھی فن جنگ کے اصول پر کوئی معتد بہ اطلاع نہیں حاصل ہوتی انتظامی امور کے ذکر میں قانونی حیثیت کا اسی وجہ سے پتہ نہیں لگتا کہ مورخین خود قانون داں نہ تھے۔

اگر خوش قسمتی سے تاریخ کا فن اُن لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا جو تاریخ کے ساتھ فن جنگ، اصول قانون اصول سیاست، علم الاخلاق سے بھی آشنا ہوتے تو آج یہ فن کہاں سے کہاں تک پہنچا ہوتا۔

واقعات کی صحت کا معیار

یہ بحث تو اس لحاظ سے تھی کہ قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے۔ اور جسقدر ہوتے ہیں انہیں اسباب و علل کا سلسلہ نہیں ملتا۔ لیکن ان کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہیں خود اُن کی صحت کہاں تک اعتبار ہو سکتا ہے؟ واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں روایت[1] و درایت[2] روایت سے یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے۔ اُس شخص کے ذریعے سے بیان کیا جائے جو خود اُس واقعہ میں موجود تھا اور اُس سے لے کر اخیر راوی تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے۔ اسکے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جائے کہ وہ صحیح الروایۃ اور ضابط تھے یا نہیں۔

درایت سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے۔

اس امر پر مسلمان بے شبہہ فخر کر سکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ اُنھوں نے جسقدر اعتنا کیا کسی قوم نے کبھی نہیں کیا تھا۔ انھوں نے ہر قسم کی روایتوں میں مسلسل سند کی جستجو کی اور راویوں کے حالات اس تفحص اور تلاش سے بہم پہونچائے کہ اسکو ایک مستقل فن بنا دیا جو فن رجال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اصل میں احادیث نبوی کے لیے شروع ہوا تھا لیکن فن تاریخ بھی اس فیض سے

محروم رہا۔ طبری، فتوح البلدان، طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام واقعات بسند متصل مذکور ہیں۔ یورپ نے فن تاریخ کو آج کمال کے درجے پر پہنچا دیا ہے۔ لیکن اس خاص امر میں وہ مسلمان مؤرخوں سے بہت پیچھے ہیں۔ اُنکو واقعہ نگار کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی کچھ پروا نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ جرح و تعدیل کے نام سے بھی آشنا نہیں۔

درایت — درایت کے اُصول بھی اگرچہ موجود تھے چنانچہ ابن حزم، ابن القیم، خطابی، ابن عبدالبر نے متعدد روایتوں کی تنقید میں ان اُصولوں سے کام لیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ اس فن کو جسقدر ترقی ہونی چاہیئے تھی نہیں ہوئی" اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا۔ البتہ علامہ ابن خلدون نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گزرا ہے جب فلسفۂ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اُصول نہایت نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کیے چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے۔

ان الاخبار اذا اعتمد فیہا علی مجرد النقل و لم تحکم اصول العادۃ وقواعد السیاسۃ وطبیعۃ العمران والاحوال فی الاجتماع الانسانی ولا قیس الغائب منہا بالشاہد والحاضر بالذاہب فربما لم یؤمن فیہا من العثور	خبروں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے اور عادت کے اُصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسائٹی کے اقتضا کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے اور غائب کو حاضر پر اور حال کو گذشتہ پر نہ قیاس کیا جائے تو اکثر لغزش ہوگی۔

علامہ موصوف نے تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لیئے پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیئے بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں، کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ ان موقعوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں بلکہ اُصولِ عادت اور قواعد تمدن کے رو سے ممکن ہونا مراد ہے۔

اب ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ جو نقص قدیم تاریخوں کے متعلق بیان کیے گئے اُن کی آج کہاں تک تلافی کیجا سکتی ہے یعنی ہم اپنی کتاب (الفاروق) میں کس حد تک اس کمی کو پورا کر سکتے ہیں۔

اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتابیں حضرت عمرؓ کے حالات میں مستقل حیثیت سے لکھی گئی ہیں ان میں ہر قسم کے ضروری واقعات نہیں ملتے لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک حد تک اسکی تلافی ہوسکتی ہے۔ مثلاً الاحکام السلطانیہ لابن الوردی ومقدمہ ابن خلدون وکتاب الخراج سے حضرت عمرؓ کے طریق حکومت وآئین انتظام کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہوسکتی ہیں۔ اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع سے خاص صیغہ قضا کے متعلق انکا طریق عمل معلوم ہوتا ہے۔ کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری ومحاسن الوسائل الی اخبار الاوائل میں انکی اولیات کی تفصیل ہے۔ عقد الفرید وکتاب البیان والتبیین للجاحظ میں اُنکے خطبے منقول ہیں۔ کتاب العمدۃ لابن رشیق القیروانی سے انکا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے میدانی نے کتاب الامثال میں ان کے حکیمانہ مقولے نقل کیے ہیں۔ ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں میں اُنکے اخلاق اور عادات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ازالۃ الخفا میں اُن کے فقہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

[1] یہ تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہیں اور میں نے اُن سے فائدہ اُٹھایا ہے ریاض النضرۃ للمحب الطبری میں بھی حضرت عمرؓ کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے لیکن اُس میں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں اس لیے میں نے دانستہ اُس سے احتراز کیا۔

واقعات کی تحقیق و تنقید کے لیے **درایت** کے اُصول سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔

درایت کا فن اب ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ اور اُس کے اُصول و قاعدے نہایت خوبی سے منضبط ہوگئے ہیں ان میں سے جو اُصول ہمارے کام میں آسکتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

---

[1] ان تصنیفات میں سے کتاب الاوائل اور کتاب العمدۃ کا قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ سیرۃ العمرین، اخبار القضاۃ اور محاسن الوسائل کے نسخے قسطنطنیہ کے کتب خانے میں ہیں اور میں نے اُن سے ضروری عبارتیں نقل کرلی تھیں۔ باقی کتابیں چھپ گئی ہیں اور میرے پاس موجود ہیں ۱۲۔

۱- واقعہ مذکورہ، اصول عادت کی رُو سے ممکن ہے یا نہیں؟

۲- اُس زمانے میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟

۳- واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟

۴- اِس امر کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اسمیں اُسکے قیاس اور رائے کا کس قدر حصہ شامل ہے؟

۵- راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا وہ واقعہ کی پُوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اُس کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آسکیں۔

۶- اسبات کا اندازہ کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقۂ ادا نے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیے ہیں۔

اِن اُصولوں کی صحت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اور ان کے ذریعے سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آج جسقدر تاریخیں متداول ہیں ان میں غیر قوموں کی نسبت حضرت عمرؓ کے نہایت سخت احکام منقول ہیں۔ لیکن جب اسبات پر لحاظ کیا جائے کہ یہ اُس زمانے کی تصنیفیں ہیں جب اسلامی گروہ میں تعصب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا، اور اسی کے ساتھ قدیم زمانے کی تصنیفات پر نظر ڈالی جائے جن میں اِس قسم کے واقعات بالکل نہیں یا بہت کم ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جسقدر تعصب آتا گیا اُسی قدر روایتیں خود بخود تعصب کے سانچے میں ڈھلتی گئی ہیں۔ تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ عیسائی کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجانے پائیں لیکن قدیم کتابوں (کتاب الخراج طبری وغیرہ) میں یہ روایت اِس قید کے ساتھ منقول ہے کہ جسوقت مسلمان نماز پڑھتے ہوں اُسوقت عیسائی ناقوس نہ بجائیں۔ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ قبیلۂ تغلب کے عیسائی اپنے بچوں کو اصطباغ نہ دینے پائیں لیکن یہی روایت تاریخ طبری میں اِن الفاظ سے مذکور ہے کہ جو لوگ اِسلام قبول کر چکے ہوں

اصول درایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے

اُن کے بچوں کو زبردستی اصطباغ نہ دیا جائے"

یا مثلاً بہت سی تاریخوں میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ نے تحقیر اور تذلیل کے لیے عیسائیوں کو ایک خاص لباس پہننے پر مجبور کیا تھا لیکن زیادہ تدقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صرف اسقدر ہے کہ حضرت عمرؓ نے عیسائیوں کو ایک خاص لباس اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی تحقیر کا خیال راوی کا قیاس ہے چنانچہ اسکی مفصل بحث آگے آئیگی۔

یا مثلاً وہ روایتیں جو تاریخی ہونے کے ساتھ مذہبی حیثیت بھی رکھتے ہیں ان میں یہ خصوصیت صاف محسوس ہوتی ہے کہ جسقدر ان میں تنقید ہوتی گئی ہے اسی قدر مشتبہ اور مشکوک باتیں کم ہوتی گئی ہیں یا فدک۔ قرطاس۔ سقیفۂ بنی ساعدہ کے واقعات ابن عساکر۔ ابن سعد۔ بیہقی۔ مسلم۔ بخاری سب نے نقل کیے ہیں لیکن جسقدر ان بزرگوں کے اصول اور شدت احتیاط میں فرق مراتب ہے اسی نسبت سے روایتوں میں مشتبہ اور نزاع انگیز الفاظ کم ہوتے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ خود مسلم و بخاری میں فرق مراتب کا یہ اثر موجود ہے چنانچہ اسکا بیان ایک مناسب موقع پر تفصیل سے آئیگا۔

ان ہی اصول عقلی کی بنا پر مختلف قسم کے واقعات میں صحت و اعتبار کے مدارج بھی مختلف قائم کرنے ہوں گے۔ مثلاً یہ مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے واقعات سنو برس کے بعد تحریر میں آئے اس بنا پر یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ معرکوں اور لڑائیوں کی نہایت جزئی تفصیلیں مثلاً صف آرائی کی کیفیت، فریقین کے سوال وجواب۔ ایک ایک بہادر کی معرکہ آرائی۔ پہلوانوں کے داؤں پیچ۔ اس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا رتبہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا لیکن انتظامی امور اور قواعد حکومت چونکہ مدت تک محسوس صورت میں موجود رہے اس لیے اُنکی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ بے شبہ یقین کے لائق ہیں اکبر نے ہندوستان میں جو آئین اور قاعدے جاری کیے ایک ایک بچہ ان سے واقف ہے اور انکی نسبت کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا جسکی وجہ نہیں کہ حدیث کی طرح اس کے لیے قطعی روایتیں موجود ہیں بلکہ اسلیے کہ وہ انتظامات مدت تک قائم رہے اور اکبر کے نام سے اُن کو شہرت تھی۔

حضرت عمرؓ کے خطبے اور حکمت آمیز مقولے جو منقول ہیں اُن کی نسبت یہ قیاس کرنا چاہیئے کہ جو فقرے زیادہ تر پُر اثر اور فصیح و بلیغ ہیں وہ ضرور صحیح ہیں کیونکہ ایک فصیح مقرر کے وہ فقرے ضرور محفوظ رہجاتے ہیں اور اُن کا مُدت تک چرچا رہتا ہے جن میں کوئی خاص نُدرت اور اثر ہوتا ہے۔ اِسی طرح خُطبوں کے وہ حُصّے ضرور قابلِ اعتماد ہیں جن میں احکامِ شرعیہ کا بیان ہے کیونکہ اِس قسم کی باتوں کو لوگ **فقہ** کی حیثیت سے محفوظ رکھتے تھے۔

جو واقعات اُس زمانے کے مذاق کے لحاظ سے چنداں قابلِ ذکر نہ تھے اور باوجود اسکے اِن کا ذکر آجاتا ہے اُن کی نسبت سمجھنا چاہیئے کہ اصل واقعہ اُس سے زیادہ ہوگا۔ مثلاً ہمارے مؤرخین رزم و بزم کی معرکہ آرائیوں اور رنگینیوں کے مقابلے میں انتظامی اُمور کے بیان کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ بااینہمہ حضرت عمرؓ کے حال میں عدالت۔ پولیس۔ بندوبست۔ مردم شماری۔ وغیرہ کا ضمناً جو ذکر آجاتا ہے اُس کی نسبت یہ خیال کرنا چاہیئے کہ جسقدر قلمبند ہوا۔ اُس سے بہت زیادہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زہد و تقشف۔ سخت مزاجی اور سخت گیری کی نسبت سیکڑوں روایتیں مذکور ہیں اور بے شبہہ اور صحابہؓ کی نسبت یہ اوصاف اُن میں زیادہ تھے۔ لیکن اسکے متعلق اُن تمام روایتوں کو صحیح نہیں خیال کرنا چاہیئے جو حلیتہ الاولیار۔ ابن عساکر۔ کنزالعمال۔ ریاض النضرہ وغیرہ میں مذکور ہیں بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ چونکہ اِس قسم کی روایتیں عموماً گرمیٔ محفل کا سبب ہوتی تھیں اور عوام اُن کو نہایت ذوق سے سُنتے تھے اسلیئے اُن میں خود بخود مُبالغہ کا رنگ آتا گیا ہے۔ اسکی تصدیق اِس سے ہوتی ہے کہ جو کتابیں زیادہ مستند اور معتبر ہیں اُن میں یہ روایتیں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ اسی لئے ہمیں نے اِس قسم کی جو روایتیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں اُن میں بڑی احتیاط کی ہے اور ریاض النضرۃ و ابن عساکر و حلیۃ الاولیا وغیرہ کی روایتوں کو بالکل نظر انداز کیا ہے۔

تاریخ کا طرزِ تحریر
اخیر میں طرزِ تحریر کے متعلق کچھ لکھنا بھی ضرور ہے۔ آجکل کی اعلیٰ درجے کی تاریخیں جنھوں نے بدل

عام حاصل کیا ہے فلسفہ اور انشا پردازی سے مرکب ہیں اور اِس طرز سے بڑھ کر اور کوئی طرز مقبولِ عام نہیں ہو سکتا لیکن درحقیقت تاریخ اور انشا پردازی کی حدیں بالکل جُدا جُدا ہیں۔ اِن دونوں میں جو فرق ہے وہ نقشہ اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے۔ نقشہ کھینچنے والے کا یہ کام ہے کہ کسی حصّۂ زمین کا نقشہ کھینچے تو نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ اُسکی ہیئت شکل سمت جہت اطراف اضلاع ایک ایک چیز کا احاطہ کرے بخلاف اسکے مصوّر صرف اِن خصوصیتوں کو لیگا یا اُن کو زیادہ نمایاں صورت میں دکھلائیگا جن میں کوئی خاص دلچسپی ہے اور جن سے انسان کی قوت منفعلہ پر اثر پڑتا ہے۔ مثلاً رستم و سہراب کی داستان کو ایک مؤرخ لکھیگا تو سادہ طور پر واقعہ کے تمام جزئیات بیان کر دیگا لیکن ایک انشا پرداز اِن جزئیات کو اِس طرح ادا کریگا کہ سہراب کی مظلومی و بیکسی اور رستم کی ندامت و حسرت کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے اور واقعہ کے دیگر جزئیات باوجود سامنے ہونے کے نظر نہ آئیں۔

تاریخ اور انشاپردازی کا فرق

مؤرخ کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ سادہ واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرنے پائے۔ یورپ میں آجکل جو بڑا مؤرخ گذرا ہے اور جو طرزِ حال کا موجد ہے رینکی ہے اسکی تعریف ایک پروفیسر نے اِن الفاظ میں کی ہے "اُس نے تاریخ میں شاعری سے کام نہیں لیا۔ وہ نہ ملک کا ہمدرد بنا نہ مذہب اور قوم کا طرفدار ہوا۔ کسی واقعہ کے بیان کرنے میں مطلق پتہ نہیں لگتا کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور اُسکا ذاتی اعتقاد کیا ہے"

یہ امر بھی یاد رکھنا ضرور ہے کہ اگرچہ میں نے واقعات میں اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اِس باب میں یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز کیا ہے۔ اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کے لیئے اکثر جگہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے۔ اِس لیئے مؤرخ کو اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہیں لیکن یہ اُسکا لازمی فرض ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد کو واقعہ میں اسقدر مخلوط نہ کرے کہ کوئی شخص دونوں کو الگ کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔

اہلِ یورپ کا عام طرز یہ ہے کہ وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے موافق کرنے کے لیئے ایسی ترتیب اور انداز سے

لکھتے ہیں کہ واقعہ بالکل اُن کے اجتہاد کے قالب میں ڈھل جاتا ہے اور کوئی شخص قیاس اور اجتہاد کو واقعہ سے الگ نہیں کر سکتا۔

اس کتاب کی ترتیب اور اُصول تحریر کے متعلق چند اُمور لحاظ رکھنے کے قابل ہیں۔

۱۔ بعض واقعات مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں اور مختلف عنوانوں کے تحت میں آسکتے ہیں اس لیے اس قسم کے واقعات کتاب میں مکرّر آگئے ہیں۔ اور ایسا ہونا ضرور تھا لیکن یہ التزام رکھا گیا ہے کہ جن خاص عنوانوں کے نیچے وہ واقعہ لکھا گیا ہے وہاں اُس عنوان کی حیثیت زیادہ تر دکھلائی گئی ہے۔

۲۔ کتابوں کا حوالہ زیادہ تر انھیں واقعات میں دیا گیا ہے جو کسی حیثیت سے قابلِ تحقیق تھے اور کوئی خصوصیت خاص رکھتے تھے۔

۳۔ جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم رتبہ ہیں مثلاً ازالۃ الخفا و ریاض النضرۃ وغیرہ اُن کا جہاں حوالہ دیا ہے اس بنا پر دیا ہے کہ خاص اُس روایت کی تصدیق اور معتبر کتابوں سے کر لی گئی تھی۔

غرض کئی برس کی سعی و محنت اور تلاش و تحقیق کا جو نتیجہ ہے وہ قوم کے سامنے ہے۔

من کہ یک چند زدم مہر خموشی بر لب — کس چہ داند کہ دریں پردہ چہ سودا کردم
پیکرے تازہ کہ خواہم بہ عزیزان بنمود — لختے از ذوق۔ خودش نیز تماشا کردم
محفل از بادۂ دوشینہ نیاسودہ ہنوز — بادۂ تند تر از دوش بہ مینا کردم
باز خواہم کہ دمم در نَیِ اندیشہ رواں — من کہ دریوزۂ فیض از دمِ عیسیٰ کردم
ہمنشیں نکتۂ حکمت ز شریعت می جُست — لختے از نسخۂ روح القدس املا کردم
شاہدِ راز کہ کس پردہ ز رویش نگرفت — گرہ از بند قبایش بہ فسوں۔ وا کردم
بسکہ ہر بار گہر پاش گذشتم زین رہ — دشتِ معنے ہمہ پر لولوی لالا کردم

نام و نسب۔ سنِ رشد و تربیت

سلسلۂ نسب یہ ہے عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزّیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قُرط بن رزاح بن عدی۔ بن کعب بن لوے بن فہر بن مالک۔

اہلِ عرب عموماً عدنان یا قحطان کی اولاد ہیں۔ عدنان کا سلسلہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک پُہنچتا ہے۔ عدنان کے نیچے گیارہویں پشت میں فہر بن مالک بڑے صاحبِ اقتدار تھے، اِن ہی کی اولاد ہے جو **قریش** کے لقب سے مشہور ہے۔ قریش کی نسل میں دس شخصوں نے اپنے زور لیاقت سے بڑا امتیاز حاصل کیا۔ اور اُن کے اِنتساب سے دس جدا جدا نامور قبیلے بن گئے۔ یعنی ہاشم۔ اُمیہ۔ نوفل عبد الدار۔ اسد۔ تیم۔ مخزوم۔ عدی۔ جمح۔ سہم۔ **حضرت عمر** عدی کی اولاد سے ہیں۔ عدی کے دوسرے بھائی **مرّہ** تھے جو رسول اللہ صلعم کے اَجداد سے ہیں۔ اِس لحاظ سے حضرت عمر کا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلعم سے آٹھویں پشت میں جا کر ملجاتا ہے۔

قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور بھی تھے اسلیئے دنیاوی جاہ وجلال کے ساتھ مذہبی عظمت کا چتر بھی اُن پر سایہ افگن تھا۔ تعلّقات کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ سے اُن لوگوں کے کاروبار کے مختلف صیغے پیدا ہوگئے تھے، اور ہر صیغے کا اہتمام جدا جدا تھا۔ مثلاً خانہ کعبہ کی نگرانی۔ حجّاج کی خبر گیری۔ سفارت۔ شیوخ قبائل کا انتخاب۔ فصلِ مقدمات۔ مجلسِ شوریٰ۔ وغیرہ وغیرہ۔ عدی۔ جو حضرت عمر کے جدّ اعلیٰ تھے اِن صیغوں میں سفارت کے صیغے کے افسر تھے، یعنی قریش کو کسی قبیلے کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آتا تو یہ سفیر بن کر جایا کرتے تھے، اسکے ساتھ **منافرہ** کے معرکوں میں ثالث بھی یہی ہوا کرتے تھے۔ عرب میں دستور تھا کہ برابر کے دو رئیسوں میں سے کسی کو فضلیت کا دعوے ہوتا تو ایک لائق اور پایہ شناس شخص ثالث مقرر کیا جاتا تھا اور دونوں اُس کے سامنے اپنی اپنی ترجیح کے دلائل بیان کرتے۔ کبھی کبھی ان جھگڑوں کو اسقدر طول ہوتا کہ مہینوں معرکے قائم رہتے۔ جو لوگ اِن معرکوں میں حکم مقرر کیئے جاتے اُن میں معاملہ فہمی کے

صفحہ ۵ یہ تمام تفصیل عقد الفرید باب فضائل العرب میں ہے۔

علاوہ، فصاحت اور زورِ تقریر کا جوہر بھی درکار ہوتا تھا۔ یہ دونوں منصب **عدی** کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آتے تھے۔

حضرت عمر کے جد امجد

حضرت عمر کے دادا نفیل بن عبد العزیٰ نے اپنے اسلاف کی طرح اِن خدمتوں کو نہایت قابلیت سے انجام دیا اور اِس وجہ سے بڑے بڑے عالی رُتبہ لوگوں کے مقدمات اِن کے پاس فیصلہ کرنے کے لیئے آتے تھے۔ رسول اللہ صلعم کے جد امجد عبد المطلب اور حرب بن اُمیہ میں جب ریاست کے دعویٰ پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حَکَم مانا۔ نفیل نے عبد المطلب کے حق میں فیصلہ کیا اور اُس وقت حرب کی طرف مخاطب ہو کر یہ جملے کہے۔

أتنافر رجلاً هو اطول منك قامة واوسم وسامة واعظم منك هامة واكثر منك ولداً واجزل منك صفداً وانى لاقول هذا وانك لبعيد الغضب رفيع الصوت في العرب جلد المريرة لحبل العشيرة۔

حضرت عمر کے برادر عم زاد زید

نفیل کے دو بیٹے تھے۔ عمرو۔ خطاب۔ عمرو معمولی لیاقت کے آدمی تھے لیکن اِن کے بیٹے **زید** جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمر کے چچازاد بھائی تھے نہایت اعلیٰ درجہ شخص تھے وہ اُن ممتاز بزرگوں میں تھے جنھوں نے رسول اللہ صلعم کی بعثت سے پہلے اپنے اجتہاد سے بُت پرستی کو ترک کر دیا تھا اور مُوحّد بن گئے تھے۔ اِن میں زید کے سوا باقیوں کے یہ نام ہیں۔ قس بن ساعدۃ۔ ورقہ بن نوفل۔

زید بت پرستی اور رسوم جاہلیت کو علانیہ بُرا کہتے تھے اور لوگوں کو دین ابراہیمی کی ترغیب لاتے تھے اسپر تمام لوگ ان کے دشمن ہوگئے جن میں حضرت عمر کے والد، خطاب۔ سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ خطاب نے اسقدر اُنکو تنگ کیا۔ کہ وہ آخر مجبور ہو کر مکہ معظمہ سے نکل گئے۔ اور حرا میں جا رہے تاہم کبھی کبھی چُھپ کر کعبہ کی زیارت کو آتے۔ زید کے اشعار آج بھی موجود ہیں جن سے اُن کے اجتہاد اور روشن ضمیری کا اندازہ ہو سکتا ہے دو شعر یہ ہیں[1]۔

[1] زید کا مفصل حال اسد الغابہ۔ کتاب الاوائل اور معارف ابن قتیبہ میں ملیگا۔

أربّا واحداً ام الف رب	ایک خدا کو مانوں یا ہزاروں کو جو ہیں بنے
أدین اذا انقسمت الامور	
ترکت اللات والعزّیٰ جمیعا	لات اور عزّیٰ دیوتاؤں کے نام تھے سب کو
کذلک یفعل الرجل البصیر	خیرباد کہا اور سمجھدار آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔

حضرت عمر کے والد خطاب

خطّاب حضرت عمرؓ کے والد قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے[1]۔ قبیلہ عدی اور بنو عبد الشمس میں مدت سے عداوت چلی آتی تھی۔ اور چونکہ بنو عبد الشمس کا خاندان بڑا تھا اس لیئے غلبہ انہیں کو رہتا تھا۔ عدی کے تمام خاندان نے جس میں **خطّاب** بھی شامل تھے۔ مجبور ہوکر بنو سہم کے دامن میں پناہ لی۔ اسپر بھی مخالفوں نے لڑائی کی دھمکی دی تو خطّاب نے یہ اشعار کہے

ابو عدلی ابو عمرو و دونی رجالٌ لا ینهنهها الوعید

رجالٌ من بنی سهم بن عمرو الی ابیاتهم یاوی الطرید

کُل آٹھ شعر ہیں اور علّامہ ازرقی نے تاریخ مکہ میں انکو تمامہا نقل کیا ہے۔ عدی کا تمام خاندان مکہ معظمہ میں مقام صفا میں سکونت رکھتا تھا لیکن جب انھوں نے بنو سہم سے تعلق پیدا کیا تو مکانات بھی انہی کے ہاتھ بیچ ڈالے، لیکن خطّاب کے متعدد مکانات صفا میں بھی باقی رہے جن میں سے ایک مکان حضرت عمرؓ کو وراثت میں پہنچا تھا۔ یہ مکان صفا و مروہ کے بیچ میں تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اسکو ڈھا کر حاجیوں کے اترنے کے لیئے میدان بنا دیا لیکن اُس کے متعلق بعض دُکانیں مدت تک حضرت عمرؓ کے خاندان کے قبضے میں رہیں[2]۔

خطّاب نے متعدد شادیاں اونچے اونچے گھرانوں میں کیں، چنانچہ حضرت عمرؓ کی ماں جنکا نام خنتمہ تھا ہشام بن المغیرہ کی بیٹی تھیں۔ مغیرہ اِس رتبے کے آدمی تھے۔ کہ جب قریش کسی قبیلے سے لڑنے

[1] کتاب المعارف ابن قتیبہ۔ [2] تاریخ مکہ للازرقی ذکر رباع بنی عدی بن کعب۔

کے بیئے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے انکو صاحب الاعنہ کا لقب حاصل تھا۔ حضرت خالدؓ انہی کے پوتے تھے۔ مغیرہ کے بیٹے ہشام بھی جو حضرت عمرؓ کے نانا تھے ایک ممتاز آدمی تھے۔

حضرت عمرؓ کی ولادت

حضرت عمرؓ مشہور روایت کے مطابق ہجرت نبوی سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے ان کی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں عمرو بن العاص کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے کہ میں چند احباب کے ساتھ ایک جلسے میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتہً ایک غل اٹھا دریافت سے معلوم ہوا کہ **خطّاب** کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پیدا ہونے پر غیر معمولی خوشی کی گئی تھی، اُن کے سنِ رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں اور کیونکر معلوم ہوتے اُس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر **فاروق اعظم** ہونے والا ہے۔ تاہم نہایت تفحص اور تلاش سے کچھ کچھ حالات بہم پہنچے جسکا یہاں نقل کرنا ناموزوں نہ ہوگا۔

سن رشد

سن رشد کو پہنچکر خطاب ان کے باپ نے انکو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کا چرانا تھا یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا۔ لیکن خطّاب نہایت بیرحمی کے ساتھ اُن سے سلوک کرتے تھے۔ تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور جب کبھی تھک کر وہ دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمرؓ کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینی پڑتی تھی اُسکا نام ضجنان تھا جو مکہ معظمہ سے قریب قدید سے ۱۰ میل کے فاصلے پر ہے خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ حضرت عمرؓ کا اُدھر گزر ہوا تو انکو نہایت عبرت ہوئی۔ آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ "اللہ اکبر! ایک وہ زمانہ تھا کہ میں یہاں نمدے کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا اور تھک کر بیٹھ جاتا۔ تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں[۱]"

شباب کا آغاز ہوا تو حضرت عمرؓ اُن شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائی عرب میں عموماً

[۱] طبقات ابن سعد۔

معمول تھے۔ عرب میں اسوقت جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور جو لازمہ شرافت خیال کی جاتی تھیں نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی، اور مقرری تھی۔ نسب دانی کا فن حضرت عمرؓ کے خاندان میں موروثی چلا آتا تھا۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں تصریح لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اور اُن کے باپ اور دادا نفیل۔ تینوں بہت بڑے نسّاب تھے"، غالبًا اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کے خاندان میں جیسا کہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں سفارت اور فیصلۂ منافرۃ یہ دونوں منصب موروثی چلے آتے تھے اور اُن کے انجام دینے کے لیئے انساب کا جاننا سب سے مقدم امر تھا۔ حضرت عمرؓ نے انساب کا فن اپنے باپ سے سیکھا۔ جاحظ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمرؓ جب انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو ہمیشہ اپنے باپ خطّاب کا حوالہ دیتے تھے۔

پہلوانی اور کشتی کے فن میں بھی کمال حاصل کیا یہاں تک کہ عکاظ کے دنگل میں معرکے کی کشتیاں لڑتے تھے۔ عکاظ۔ جبل عرفات کے پاس ایک مقام تھا جہاں سال کے سال اس غرض سے میلا لگتا تھا کہ عرب کے تمام اہلِ فن جمع ہوکر اپنے کمالات کے جوہر کھلاتے تھے، اس لیئے صرف وہی لوگ یہاں پیش ہوسکتے تھے جو کسی فن میں کمال رکھتے تھے۔ نابغہ ذبیانی، حسان بن ثابت۔ قس بن ساعدۃ۔ خنسار جنکو شاعری اور ملکۂ تقریر میں تمام عرب مانتا تھا اسی تعلیم گاہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ حضرت عمرؓ کی نسبت علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں بسند یہ روایت نقل کی ہے کہ "عکاظ کے دنگل میں کشتی لڑا کرتے تھے" اس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس فن میں پورا کمال حاصل کیا تھا شہسواری کی نسبت ان کا کمال عمومًا مسلّم ہے چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ وہ گھوڑے پر اُچھل کر سوار ہوتے تھے اور اس طرح جم کر بیٹھتے تھے کہ جلد بدن ہوجاتے تھے۔

قوت تقریر کی نسبت اگرچہ کوئی مصرح شہادت موجود نہیں لیکن یہ امر تمام مؤرخین نے باتفاق

سلہ کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱۱ و ۱۲۲۔

لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے انکو سفارت کا منصب دیدیا تھا، اور یہ منصب صرف اُس شخص کو مل سکتا تھا جو قوت تقریر اور معاملہ فہمی میں کمال رکھتا تھا۔

اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہم نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور تمام مشہور شعراء کے چیدہ اشعار اُنکو یاد تھے۔ اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ مذاق اُنھوں نے جاہلیت ہی میں عکاظ کی تعلیم گاہ میں حاصل کیا ہوگا۔ کیونکہ اسلام لانے کے بعد وہ مذہبی اشتغال میں ایسے محو ہوگئے تھے کہ اس قسم کے چرچے بھی چنداں پسند نہیں کرتے تھے۔

اسی زمانے میں اُنھوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اس زمانے میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی۔ علامہ بلاذری نے بہ سند لکھا ہے کہ جب آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں ۱۷ آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے اُن میں سے ایک عمر بن خطابؓ تھے۔[1]

ان فنون سے فارغ ہوکر وہ فکر معاش میں مصروف ہوئے۔ عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تر تجارت تھا اس لیے اُنھوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور یہی شغل اُن کی بہت بڑی ترقیوں کا سبب ہوا وہ تجارت کی غرض سے دُور دُور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری، معاملہ دانی یہ تمام اوصاف جو اُن میں اسلام لانے سے قبل پیدا ہوگئے تھے سب اِن ہی سفروں کی بدولت تھے۔ اِن سفروں کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہوں گے لیکن افسوس ہے کہ کسی مؤرخ نے اِن پر توجہ نہیں کی، علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب مروج الذہب میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ۔

ولعمر بن الخطاب اخبار کثیرة فی اسفاره فی الجاهلیة الی الشام والعراق مع کثیرٍ	عمر بن خطاب نے جاہلیت کے زمانے میں عراق اور شام کے جو سفر کیے اور اُن سفروں میں بہت سے عرب وعجم

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۷۱ —

مِنْ مُلُوْكِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ وَقَدْ اَتَيْنَا عَلٰى مَبْسُوْطِهَا فِيْ كِتَابِنَا اَخْبَارِ الزَّمَانِ وَالْكِتَابِ الْاَوْسَطِ	کے بادشاہوں سے ملے۔ اس کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جنکو ہم نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں لکھا ہے۔

علامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا اگرچہ وہ فن تاریخ کی جان ہیں لیکن قوم کی بدمذاقی سے مدت ہوئی کہ ناپید ہوچکیں، میں نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمرؓ کے اِن حالات کا پتہ لگ سکے قسطنطنیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔

محدث ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" میں جسکی بعض جلدیں میری نگاہ سے گزری ہیں۔ حضرت عمرؓ کے سفر کے بعض واقعات لکھے ہیں لیکن اُن میں کوئی دلچسپی نہیں۔

مختصر یہ کہ عکاظ کے معرکوں اور تجارت کے تجربوں نے اُنکو تمام عرب میں روشناس کردیا اور لوگوں پر اُن کی قابلیت کے جوہر روز بروز کھلتے گئے۔ یہاں تک کہ قریش نے اُنکو سفارت کے منصب پر مامور کردیا۔ قبائل میں جب کوئی پرخطر معاملہ پیش آتا تو انہی کو سفیر بناکر بھیجتے۔

قبول اسلام اور ہجرت

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ عرب میں آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز بالکل نامانوس نہیں رہی تھی چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے سعید کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہوگئیں۔ اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بالکل بیگانہ تھے۔ اِن کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے یہاں تک کہ قبیلے میں جو لوگ اسلام لاچکے تھے اُن کے دشمن بن گئے۔ لبینہ اُن کے خاندان میں ایک کنیز تھی جسنے

اسلام قبول کرلیا تھا۔ اُس کو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جسکو چڑھ جاتا تھا اُترتا نہ تھا، ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کا قصہ پاک کر دیں۔ "تلوار کمر سے لگا سیدھے رسول اللہ کی طرف چلے۔ کارکنان قضا نے کہا ع

آمد آں یارے کہ ما مے خواستیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمد کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں" انھوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں" فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپا دیئے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ بہن نے کہا کچھ نہیں۔ بولے کہ نہیں میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو" یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے اور جب اُن کی بہن بچانے کو آئیں تو اُنکی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ اُن کا بدن لہولہان ہو گیا۔ اِسی حالت میں اُن کی زبان سے نکلا کہ عمر! جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا" اِن الفاظ نے حضرت عمر کے دل پر ایک خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، اُن کے بدن سے خون جاری تھا یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجکو بھی سناؤ۔ فاطمہ نے قرآن کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیئے۔ اُٹھا کر دیکھا تو یہ سورت تھی سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا تھا یہاں تک کہ جب اِس آیت پر پہنچے اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ تو بے اختیار پکار اُٹھے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلعم ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا پناہ گزیں تھے حضرت عمر نے آستانۂ مبارک پر پہنچکر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف گئے تھے، اور اس تازہ واقعہ سے کسی کو اطلاع نہ تھی، اس لیئے صحابہ کو تردّد ہوا لیکن حضرت امیر حمزہ نے کہا کہ "آنے دو۔ مخلصانہ آیا ہے تو بہتر، ورنہ اُسی کی تلوار سے اسکا سر قلم کر دیا جائیگا"۔ حضرت عمر نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ خود آگے بڑھے اور اُنکا دامن پکڑ کر فرمایا کیوں عمر! کس ارادے سے آیا ہے؟ نبوت کی پُر رعب آواز نے اُنکو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی کہ ایمان لانے کے لیئے۔ آنحضرت بے ساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اُٹھیں[۱]۔

حضرت عمر کے ایمان لانے سے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا، اسوقت تک اگرچہ ۴۰-۵۰ آدمی اسلام لا چکے تھے عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے۔ اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا حضرت عمر کے اسلام کے ساتھ دفعتہ یہ حالت بدل گئی۔ اُنھوں نے علانیہ اپنا اسلام ظاہر کیا، کافروں نے اول اول اُنپر بڑی شدّت کی لیکن وہ برابر ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جاکر نماز ادا کی۔ ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبداللہ بن مسعود کی زبانی ان الفاظ میں روایت کیا ہے فَلَمَّا اَسْلَمَ عُمَرُ قَاتَلَ قُرَيْشًا حَتّٰى صَلّٰى عِنْدَ الْكَعْبَةِ وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ یعنی جب عمر اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہاں تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور اُن کے ساتھ ہم لوگوں نے بھی پڑھی۔

حضرت عمر کے اسلام کا واقعہ سنہ نبوی کے چھٹے سال میں واقع ہوا۔

ہجرت

حضرت عمر کی ہجرت

اہل قریش ایک مدت تک آنحضرت کے دعوائے نبوت کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے،

[۱] انساب الاشراف بلاذری و طبقات ابن سعد و اسد الغابہ و ابن عساکر و کامل ابن الاثیر۔

لیکن اسلام کو جسقدر شیوع ہوتا جاتا تھا اُنکی بے پروائی، غصہ اور ناراضی سے بدلتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب ایک جماعت کثیر اسلام کے حلقے میں آگئے تو **قریش** نے زور اور قوت کے ساتھ اسلام کو مٹا دینا چاہا۔ حضرت ابو طالب کی زندگی تک تو علانیہ کچھ نہ کر سکے لیکن اُن کے انتقال کے بعد کفار ہر طرف سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور جسکو جس مسلمان پر قابو ملا اس طرح ستانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور وارفتگی کا اثر نہ ہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا تھا یہ حالت پانچ چھ برس تک رہی اور یہ زمانہ اس سختی سے گزرا کہ اسکی تفصیل ایک نہایت دردانگیز داستان ہے۔

اسی اثنا میں۔ مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اسلیئے آنحضرت نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔ سب سے پہلے ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسہل پھر حضرت بلال مؤذن اور عمار یاسر نے ہجرت کی، ان کے بعد **حضرت عمر** نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینے کا قصد کیا۔ صحیح بخاری میں ۲۰ کا عدد مذکور ہے لیکن ناموں کی تفصیل نہیں ابن ہشام نے بعضوں کے نام لکھے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ زید بن خطاب۔ سعید بن زید بن خطاب۔ خنیس بن حذافہ سہمی۔ عمرو بن سراقہ۔ عبد اللہ بن سراقہ۔ واقد بن عبد اللہ تمیمی۔ خولی بن ابی خولی۔ مالک بن ابی خولی۔ ایاس بن بکیر۔ عاقل بن بکیر۔ عامر بن بکیر۔ خالد بن بکیر۔ ان میں سے زید حضرت عمر کے بھائی۔ سعید بھتیجے۔ خنیس داماد۔ اور باقی دوست احباب تھے

حضرت عمر کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی

مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی۔ مہاجرین زیادہ تر قبا میں (جو مدینہ سے دو تین میل ہے) قیام کرتے تھے۔ حضرت عمر بھی یہیں رفاعہ بن عبد المنذر کے مکان پر ٹھہرے۔ قبا کو عوالی بھی کہتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں ان کے فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے۔ حضرت عمر کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی یہاں تک کہ سنہ ۱۳ نبوی میں خود جناب رسالت پناہ نے مکہ چھوڑا اور آفتاب رسالت مدینہ کے اُفق سے طالع ہوا۔

حضرت عمر کا قیام گاہ

مدینہ پہنچکر سب سے پہلے آنحضرت نے مہاجرین کے رہنے سہنے کا انتظام کیا۔ انصار کو بُلا کر اُن میں اور مہاجرین میں برادری قائم کی جسکا یہ اثر ہوا کہ جو مہاجر جس انصاری کا بھائی بن جاتا تھا انصاری اُسکو اپنی جائداد، مال، اسباب، نقدی تمام چیزوں میں سے آدھا آدھا بانٹ دیتا تھا۔ اس طرح تمام مہاجرین اور انصار بھائی بھائی بن گئے۔ اِس رشتے کے قائم کرنے میں آنحضرت طرفین کے رتبہ اور حیثیت کا فرق مراتب ملحوظ رکھتے تھے یعنی جو مہاجر جس درجے کا ہوتا تھا اُسی رتبے کے انصاری کو اُسکا بھائی بناتے تھے چنانچہ حضرت عمر کو جسکا بھائی قرار دیا اُن کا نام عتبان بن مالک تھا جو قبیلۂ بنی سالم کے سردار تھے۔[1]

مہاجرین اور انصار میں اخوت

حضرت عمر کے اسلامی بھائی

آنحضرت کے تشریف لانے پر بھی اکثر صحابہ نے **قبا** ہی میں قیام رکھا۔ حضرت عمر بھی یہیں مقیم رہے لیکن یہ معمول کر لیا کہ ایک دن ناغہ دیکر بالالتزام آنحضرت کے پاس جاتے اور دن دن بھر خدمت اقدس میں حاضر رہتے۔ ناغہ کے دن یہ بندوبست کیا تھا کہ اُن کے برادرِ اسلامی عتبان بن مالک آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو کچھ آنحضرت سے سُنتے حضرت عمر سے جا کر روایت کرتے، چنانچہ بخاری نے متعدد ابواب مثلاً باب العلم، باب النکاح وغیرہ میں ضمناً اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

مدینے میں پہنچکر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض وارکان محدود اور معیّن کیے جائیں کیونکہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا، یہی وجہ تھی کہ ابتک روزہ۔ زکوٰۃ۔ نماز جمعہ۔ نماز عید۔ صدقۂ فطر۔ کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی۔ نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں، یہاں تک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معیّن ہوا تھا چنانچہ سب سے پہلے آنحضرت نے اسکا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لیئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لیئے صحابہ نے یہی رائے دی۔ ابن ہشام نے روایت کی ہے

[1] دیکھو سیرۃ ابن ہشام۔ حافظ ابن حجر نے مقدمۂ فتح الباری (صفحہ ۳۱۲) میں عتبان کے بجائے اوس بن خولی کا نام لکھا ہے اور اُسی کی تصحیح کی ہے لیکن تعجب ہے کہ خود علامہ موصوف نے اصابہ میں ابن سعد کے حوالے سے عتبان ہی کا نام لکھا ہے، اور اوس بن خولی کا جہاں حال لکھا ہے، حضرت عمر کی اخوت کا کچھ ذکر نہیں کیا۔

کہ یہ خود آنحضرتؐ کی تجویز تھی، بہرحال یہ مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمرؓ آنکلے اور اُنھوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لیے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے اُسی وقت حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا۔[1]

اذان کا طریقہ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے، حضرت عمرؓ کے لیے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعارِ اعظم ان ہی کی رائے کے موافق قائم ہوا۔

سنہ ۲ ہجری ۶۲۳ء تا وفات رسول اللہ صلعم

غزوات و دیگر حالات

سنہ ۲ ہجری ۶۲۳ء سے آنحضرتؐ کی وفات تک، حضرت عمرؓ کے واقعات اور حالات درحقیقت سیرت نبوی کے اجزا ہیں۔ آنحضرتؐ کو جو لڑائیاں پیش آئیں، غیر قوموں سے جو معاہدات عمل میں آئے، وقتاً فوقتاً جو انتظامات جاری کیے گئے، اشاعتِ اسلام کے لیے جو تدبیریں اختیار کی گئیں، ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمرؓ کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر تمام واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے جائیں تو کتاب کا یہ حصہ سیرۃ نبوی سے بدل جاتا ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ کے یہ کارنامے، گو کتنے ہی عظیم الشان ہوں لیکن چونکہ وہ رسول اللہ کے سلسلۂ حالات سے وابستہ ہیں اسلیے جب قلمبند کیے جائیں گے تو تمام واقعات کا عنوان رسول اللہ کا نامِ نامی قرار پائے گا اور حضرت عمرؓ کے کارنامے ضمناً ذکر میں آئیں گے۔ اِسلیے ہم نے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کیا کہ یہ واقعات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے جائیں اور جن واقعات میں حضرت عمرؓ کا خاص تعلق ہے اُنکو کسی قدر تفصیل سے لکھا جائے اِس صورت میں اگرچہ حضرت عمرؓ کے کارنامے نمایاں ہو کر نظر نہ آئیں گے کیونکہ جب تک واقعہ کی پوری تصویر نہ دکھائی جائے۔ اُسکی اصلی شان قائم نہیں رہتی، تاہم اِسکے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی۔

[1] صحیح بخاری کتاب الاذان۔

اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ اُن واقعات کو لکھتے ہیں۔

آنحضرتؐ نے جب مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو قریش کو خیال ہوا کہ اگر مسلمانوں کا جلد استیصال نہ کر دیا جائیگا تو وہ زیادہ زور پکڑ جائیں گے۔ اِس خیال سے اُنھوں نے مدینہ پر حملے کی تیاریاں شروع کیں۔ تاہم ہجرت کے دوسرے سال تک کوئی قابلِ ذکر معرکہ نہیں ہوا۔ صرف اِسقدر رہا کہ دو تین دفعہ قریش چھوٹے چھوٹے گروہ کے ساتھ مدینے کی طرف بڑھے لیکن آنحضرتؐ نے خبر پاکر اُن کے روکنے کے لئے تھوڑی تھوڑی سی فوجیں بھیجدیں اور وہ وہیں رُک گئے۔

غزوۂ بدر ۲ھ

سنہ ۲ ہجری میں بدر کا واقعہ پیش آیا جو نہایت مشہور معرکہ ہے۔ اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ابوسفیان جو قریش کا سردار تھا تجارت کا مال لیکر شام سے واپس آ رہا تھا۔ راہ میں یہ (غلط) خبر سُن کر کہ مسلمان اُسپر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ قریش کے پاس قاصد بھیجا اور ساتھ ہی تمام مکہ اُمنڈ آیا۔ رسول اللہ صلعم یہ خبر سُن کر تین سو آدمیوں کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے۔ عام مورخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم کا مدینہ سے نکلنا صرف قافلہ کے لوٹنے کی غرض سے تھا لیکن یہ امر محض غلط ہے۔ قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہو سکتی اُسمیں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ	جیسا کہ تجھکو تیرے پروردگار نے تیرے گھر سے (مدینہ) سچائی پر نکالا اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ سچی بات ظاہر ہو گئی گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اُسکو دیکھ رہے ہیں اور جبکہ خدا دو گروہوں میں سے ایک کا تم سے وعدہ کرتا تھا اور تم چاہتے تھے کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ ہاتھ آئے۔

اِن آیتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ۔

(۱) جب آنحضرت نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ ہچکچاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ موت کے منہ میں جاتا ہے۔

(۲) مدینے سے نکلنے کے وقت کافروں کے دو گروہ تھے ایک غَیرَ ذَاتِ الشَّوکَۃِ یعنی ابو سفیان کا کاروانِ تجارت اور دوسرا قریشِ مکہ کا گروہ جو مکہ سے حملہ کرنے کے لیے سر و سامان کے ساتھ نکل چکا تھا اس کے علاوہ ابو سفیان کے قافلے میں کل ۴۰ آدمی تھے اور آنحضرت مدینے سے تین سو بہادروں کے ساتھ نکلے تھے تین سو آدمی ۴۰ آدمیوں کے مقابلہ کو کسی طرح موت کے منہ میں جانا نہیں خیال کر سکتے تھے۔ اسلیئے اگر آنحضرت قافلے کے لوٹنے کے لیے نکلتے تو خدا ہرگز قرآن مجید میں یہ نہ فرماتا کہ مسلمان اُن کے مقابلے کو موت کے مونھ میں جانا سمجھتے تھے۔

بہر حال ۸- رمضان سنہ ۲ ہجری کو آنحضرت ۳۱۳- آدمیوں کے ساتھ جن میں سے ۸۳ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ قریش کے ساتھ ۹۵۰ کی جمعیت تھی جن میں بڑے بڑے مشہور بہادر شریک تھے۔ مقام بدر میں جو مدینہ منورہ سے قریباً ۶ منزل ہے۔ معرکہ ہوا اور کفار کو شکست فاش ہوئی۔ مسلمانوں میں سے ۱۴- آدمی شہید ہوئے جن میں ۶ مہاجر اور ۸- انصار تھے قریش کی طرف ۷۰ مقتول اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ مقتولین میں ابوجہل- عتبہ بن ربیعہ، شیبہ اور بڑے بڑے روساء مکہ تھے اور اُن کے قتل ہونے سے قریش کا زور ٹوٹ گیا۔

حضرت عمر اگرچہ اس معرکہ میں رائے و تدبیر، جانبازی و پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ کے دست و بازو رہے- لیکن اُن کی شرکت کی مخصوص خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں آئے لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمر کے قبیلے میں سے ایک متنفس بھی شریک جنگ نہیں ہوا[1]- اور یہ امر جہاں تک قیاس کیا جا سکتا ہے صرف حضرت عمر کے

[1] طبری کبیر میں ہے: لم یکن بقی من قریش بطن الا نفر منهم ناس الا بنی عدی بن کعب لم یخرج منهم رجل واحد

رعب و داب کا اثر تھا۔

(۲) حضرت عمرؓ کے ساتھ اُن کے قبیلہ اور خلفاء کے ۱۲ آدمی شریک جنگ تھے، جن کے نام یہ ہیں: زید۔ عبداللہ بن سراقہ۔ عمرو بن سراقہ۔ واقد بن عبداللہ۔ خولی بن ابی خولی۔ مالک بن ابی خولی۔ عامر بن ربیعہ۔ عامر بن بکیر۔ عاقل بن بکیر۔ خالد بن بکیر۔ ایاس بن بکیر

(۳) سب سے پہلے جو شخص اس معرکہ میں شہید ہوا وہ مہجع حضرت عمرؓ کا غلام تھا[51]۔

(۴) عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک معزز سردار اور حضرت عمرؓ کا ماموں تھا حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہ بات حضرت عمرؓ کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے کہ اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کا اثر۔ اُن پر کبھی غالب نہیں آسکتا تھا چنانچہ یہ واقعہ اس کی پہلی مثال ہے۔

اِس معرکے میں مخالف کی فوج میں سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے اُن کی تعداد کم و بیش ۷۰ تھی اور اُن میں سے اکثر قریش کے بڑے بڑے معزز سردار تھے مثلاً حضرت عباس۔ عقیل۔ (حضرت علیؓ کے بھائی) ابو العاص بن الربیع۔ ولید بن الولید۔ اِن سرداروں کا ذلت کے ساتھ گرفتار ہو کر آنا ایک عبرت خیز سماں تھا۔ جس نے مسلمانوں کے دل پر بھی اثر کیا یہاں تک کہ رسول اللہ کی زوجہ مبارکہ سودہ کی نظر جب اُن پر پڑی تو بے اختیار بول اُٹھیں کہ اَعْطَیْتُمْ بِاَیْدِیْکُمْ ھَلَّا مُتُّمْ کِرَامًا

قیدیوں کے معاملہ میں حضرت عمرؓ کی رائے۔

اس بنا پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ اِن لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہ نے تمام صحابہ سے رائے لی اور لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں اِس لیئے اِن سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا اسلام کے معاملے میں رشتہ و قرابت کو دخل نہیں اِن سب کو قتل کر دینا چاہیئے اور اِس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز

---

۵۱ ابن ہشام صفحہ ۴۹۰ ۵۲ ابن ہشام صفحہ ۵۰۹ و استیعاب۔

۵۳ تم مطیع ہو کر آئے ہو، شریفوں کی طرح لڑ کر مر نہیں گئے؟

کو آپ قتل کر دے، علی عقیل کی گردن ماریں، حمزہ عباس کا سر اڑا دیں، اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے اسکا کام میں تمام کردوں[1]۔

آنحضرت نے شان رحمت کے اقتضا سے حضرت ابو بکر کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا اسپر یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ الخ	کسی پیغمبر کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اُس کے پاس قیدی ہوں جبتک کہ وہ خوب خونریزی نہ کرے۔

بدر کی فتح نے اگرچہ قریش کے زور کو گھٹایا لیکن اس سے اور نئی مشکلات کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ مدینہ منورہ اور اُس کے اطراف پر ایک مدت سے یہودیوں نے قبضہ کر رکھا تھا آنحضرت۔ جب مدینہ میں تشریف لائے تو ملکی انتظامات کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یہودیوں سے معاہدہ کیا کہ مسلمانوں کے برخلاف دشمن کو مدد نہ دیں گے اور کوئی دشمن مدینہ پر چڑھ آئیگا تو مسلمانوں کی مدد کرینگے، لیکن جب آنحضرت بدر سے فتحیاب آئے تو انکو ڈر پیدا ہوا کہ مسلمان زور پکڑ کر اُن کے برابر کے حریف نہ بن جائیں، چنانچہ خود چھیڑ شروع کی اور کہا کہ "قریش والے فن حرب سے نا آشنا تھے ہم سے کام پڑتا تو ہم دکھا دیتے کہ لڑنا اسکو کہتے ہیں" نوبت یہاں تک پہنچی کہ رسول اللہ سے جو معاہدہ کیا تھا توڑ ڈالا۔ آنحضرت نے شوال سنہ ۲ ہجری میں اُن پر چڑھائی کی اور بالآخر وہ گرفتار ہو کر مدینہ سے جلاوطن کر دیئے گئے۔ اسلام کی تاریخ میں یہودیوں سے لڑائیوں کا جو ایک متصل سلسلہ نظر آتا ہے اسکی ابتدا اسی سے ہوئی تھی۔

قریش بدر میں شکست کھا کر انتقام کے جوش میں بیتاب تھے۔ ابو سفیان نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لونگا غسل تک نہ کرونگا چنانچہ ذوالحجہ سنہ ۲ھ میں دو سو شتر

[1] طبری صفحہ ۱۳۵۵۔

سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچکر دھوکے سے دو مسلمانوں کو پکڑا اور انکو قتل کر دیا۔ رسول

غزوہ سویق
اللہؐ کو خبر ہوئی تو آپ نے تعاقب کیا لیکن ابوسفیان نکل گیا تھا۔ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے واقعات

اور بھی پیش آتے رہے یہاں تک کہ شوال ۳ھ میں جنگ احد کا مشہور معرکہ واقع ہوا۔

غزوہ احد ۳ھ
اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور اور بہت سے سرداران قریش نے ابوسفیان سے جاکر کہا کہ اگر تم مصارف کا ذمہ اٹھاؤ تو اب بھی بدر کا انتقام لیا جا سکتا ہے۔ ابوسفیان نے قبول کیا اور اسی وقت حملہ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ کنانہ اور تہامہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ہو گئے۔ ابوسفیان ان سب کا سپہ سالار بن کر بڑے سروسامان کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا اور ماہ شوال بدھ کے دن مدینہ منورہ کے قریب پہنچکر مقام کیا۔ آنحضرتؐ کی رائے تھی کہ مدینہ میں ٹھہر کر قریش کا حملہ روکا جائے، لیکن صحابہ نے نہ مانا اور آخر آنحضرتؐ مجبور ہو کر جمعہ کے دن مدینہ سے نکلے۔ قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس میں دو سو سوار اور ۷۰۰ سو زرہ پوش تھے۔ میمنہ کے افسر خالد بن الولید اور میسرہ کے عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ (اس وقت تک یہ دونوں صاحب اسلام نہیں لائے تھے) ادھر کل ۷۰۰ آدمی تھے جن میں سو زرہ پوش اور صرف دو سو سوار تھے۔ مدینہ سے قریباً تین میل پر احد ایک پہاڑ ہے۔ اسکے دامن میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں آنحضرتؐ نے عبداللہ بن جبیر کو ۵۰ تیراندازوں کے ساتھ فوج کے عقب پر متعین کیا کہ ادھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔

۷۔ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی سب سے پہلے زبیرؓ نے اپنی رکاب کی فوج کو لیکر حملہ کیا اور قریش کے میمنہ کو شکست دی۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، ابودجانہ دشمن کی فوج میں گھس گئے اور انکی صفیں الٹ دیں۔ لیکن فتح کے بعد لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ تیراندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ہو چکا اس خیال سے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہو گئے

تیر اندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد نے دفعۃً عقب سے بڑے زور شور کے ساتھ حملہ کیا۔ مُسلمان چونکہ ہتھیار ڈال کر غنیمت میں مصروف ہو چکے تھے۔ اِس ناگہانی زد کو نہ روک سکے۔ کفّار نے رسول اللہ صلعم پر پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ کی۔ یہاں تک کہ آپ کے دندانِ مُبارک شہید ہوئے، پیشانی پر زخم آیا، اور رخساروں میں مغفر کی کڑیاں چُبھ گئیں۔ اِس کے ساتھ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے اور لوگوں کی نظر سے چُھپ گئے" اِسی برہمی میں یہ غُل پڑ گیا کہ رسول اللہؐ مارے گئے۔ اِس خبر نے مُسلمانوں کے استقلال کو اور متزلزل کر دیا اور جو جہاں تھا وہیں سراسیمہ ہو کر رہ گیا۔

اِس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ اخیر وقت تک کس قدر صحابہ ثابت قدم رہے صحیح مُسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اُحد میں آنحضرتؐ کے ساتھ صرف ساتؓ انصار اور دو قریشی یعنی سعد اور طلحہ رہ گئے تھے۔ نسائی اور بیہقی میں بسند صحیح منقول ہے کہ گیارہ انصار اور طلحہ کے سوا اور کوئی آنحضرتؐ کے ساتھ نہیں رہا تھا۔ محمد بن سعد نے ۱۴ آدمیوں کا نام لیا ہے۔ اِسی طرح اور بھی مختلف روایتیں ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اِن روایتوں میں اِس طرح تطبیق دی ہے کہ لوگ جب اِدھر اُدھر پھیل گئے تو کافروں نے دفعۃً عقب سے حملہ کیا اور مُسلمان سراسیمہ ہو کر جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ پھر جس طرح موقع ملتا گیا، لوگ آنحضرتؐ کے پاس پہنچتے گئے۔"

تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرتؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو کچھ لوگ تو ایسے سراسیمہ ہوئے کہ اُنھوں نے مدینے سے اِدھر دم نہیں لیا۔ کچھ لوگ جان پر کھیل کر لڑتے رہے کہ رسول اللہؐ کے بعد جینا بیکار ہے۔ بعضوں نے مایوس ہو کر سپر ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے حضرت عمرؓ اِس تیسرے گروہ میں تھے۔ علّامہ طبری نے بسند متصل جس کی رواۃ ابن حمید، سلمہ، محمد بن اسحاق، قاسم بن عبدالرحمٰن بن رافع ہیں۔ روایت کی ہے کہ اِس موقع پر جب

سلہ یہ پوری تفصیل فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ہفتم صفحہ ۲۷۲ میں ہے۔

انس بن نضر نے حضرت عمرؓ اور طلحہ اور اور چند مہاجرین اور انصار کو دیکھا کہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو، ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ نے تو شہادت پائی۔ انس بولے کہ رسول اللہ کے بعد زندہ رہکر کیا کرو گے؟ تم بھی انہی کی طرح لڑکر مرجاؤ" یہ کہکر کفار پر حملہ آور ہوئے اور شہادت حاصل کی[۱]۔ "قاضی ابو یوسف صاحب نے خود حضرت عمرؓ کی زبانی نقل کیا ہے کہ انس بن نضر میرے پاس سے گزرے اور مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ پر کیا گزری، میں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہوئے۔ انس نے کہا رسول اللہ شہید ہوئے تو ہوئے خدا تو زندہ ہے" یہ کہکر تلوار میان سے کھینچ لی اور اسقدر لڑے کہ شہادت حاصل کی[۱]۔ ابن ہشام میں ہے کہ انس نے اس واقعہ میں ستر زخم کھائے

طبری کی روایت میں یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ کے ساتھیوں میں طلحہ کا نام بھی ہے اور یہ مُسلم ہے کہ اس معرکہ میں اُن سے زیادہ کوئی ثابت قدم نہیں رہا تھا بہرحال یہ امر تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ سخت برہمی کی حالت میں بھی حضرت عمرؓ میدانِ جنگ سے نہیں ہٹے اور جب آنحضرتؐ کا زندہ ہونا معلوم ہوا تو فوراً خدمتِ اقدس میں پہنچے۔ طبری اور سیرت ابن ہشام میں ہے۔

فلما عرف المسلمون رسول اللّٰہ نہضوا بہ ونہض نحو الشعب معہ علیؓ بن ابی طالب و ابو بکر بن ابی قحافۃ وعمر بن الخطاب و طلحۃ بن عبید اللّٰہ والزبیر بن العوام والحارث بن صمۃ	پھر جب مسلمانوں نے رسول اللہ کو دیکھا تو آنحضرت کے پاس پہنچے اور آپ لوگوں کو لے کر پہاڑ کے درہ پر چڑھ گئے اسوقت آپ کے ساتھ حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام، اور حارث بن صمہ تھے۔

علامہ بلاذری صرف ایک مؤرخ ہیں جنھوں نے انساب الاشراف میں حضرت عمرؓ کے حال میں یہ لکھا ہے۔

[۱] طبری صفحہ ۱۴۱۰، [۲] کتاب الخراج صفحہ ۲۵۔

وَكَانَ مِمَّنْ اَنْكَشَفَ يَوْمَ اُحُدٍ فَغُفِرَ لَهٗ۔	یعنی حضرت عمرؓ اُن لوگوں میں تھے جو اُحد کے دن بھاگ گئے تھے۔ لیکن خدا نے اُنکو معاف کر دیا۔

علامہ بلاذری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جسکا خلاصہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب اپنی خلافت کے زمانے میں لوگوں کے روزینے مقرر کیے تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا کہ اِن سے زیادہ مستحق آپ کے فرزند عبد اللہ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں، کیونکہ اسکا باپ اُحد کی لڑائی میں ثابت قدم رہا تھا اور عبد اللہ کا باپ (یعنی خود حضرت عمرؓ) نہیں رہا تھا۔

لیکن یہ روایت قطع نظر اسکے کہ درایۃً غلط ہے کیونکہ معرکۂ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جسکو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اُصولِ روایت کے لحاظ سے بھی ہم اسپر اعتبار نہیں کر سکتے۔ علامہ موصوف نے جن رواۃ کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے اُنہیں عباس بن عبد اللہ الباکسائے اور غیض بن اسحاق ہیں اور یہ دونوں مجہول الحال ہیں۔ اسکے علاوہ اور تمام روایتیں اسکے خلاف ہیں۔

اِس بحث کے بعد ہم پھر اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں۔

خالد ایک دستۂ فوج کے ساتھ آنحضرتؐ کی طرف بڑھے، رسول اللہ اُسوقت تیس صحابہ کے ساتھ پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے۔ خالد کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ خدایا! یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھکر حملہ کیا اور اُن لوگوں کو ہٹا دیا۔[۱]

ابو سفیان سالارِ قریش درّہ کے قریب پہنچکر پکارا کہ اس گروہ میں محمدؐ ہیں یا نہیں؟ آنحضرتؐ نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابو سفیان نے پھر حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کا نام لیکر کہا کہ یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو بولا کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے"۔ حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا، پکار کر کہا" او دشمنِ خدا! ہم سب زندہ ہیں" ابو سفیان نے کہا اعلُ ھبل یعنی "ای

---

[۱] سیرت ابن ہشام صفحہ ۵۷۶ و طبری صفحہ ۱۴۱۱۔

ہُبل (ایک بت کا نام تھا) بلند ہو۔ رسول اللہ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جواب دو اللہُ اعلیٰ و اجلّ، یعنی خدا بلند و برتر ہے۔[1]

حضرت حفصہؓ کا عقد رسول اللہؐ کے ساتھ

اس سال حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انکی صاحبزادی حضرت حفصہؓ رسول اللہ کے عقد میں آئیں۔ حفصہ کا نکاح جاہلیت میں خُنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا۔ خُنیس کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے خواہش کی کہ حفصہ کو اپنے نکاح میں لائیں۔ اُنھوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر حضرت عثمانؓ سے درخواست کی۔ وہ بھی چُپ رہے۔ کیونکہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلعم۔ حضرت حفصہؓ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ شعبان ۳ھ میں آنحضرتؐ نے حفصہ سے نکاح کیا۔

واقعہ بنو نضیر ۴ھ ۶۲۶ء

۴ھ میں بنو نضیر کا واقعہ پیش آیا۔ اُوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ مدینہ منورہ میں یہود کے جو قبائل آباد تھے آنحضرتؐ نے اُن سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ اِن میں سے بنو قینقاع نے بدر کے بعد نقضِ عہد کیا اور اِس جُرم میں مدینے سے نکال دیئے گئے۔ دوسرا قبیلہ بنو نضیر کا تھا یہ لوگ بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ۴ھ میں آنحضرتؐ ایک معاملے میں استعانت کے لیے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ اِن لوگوں نے ایک شخص کو جس کا نام عمرو بن جحاش تھا آمادہ کیا کہ چھت پر چڑھ کر آنحضرتؐ کے سر پر پتھر کی سِل گرا دے۔ وہ چھت پر چڑھ چکا تھا کہ آنحضرتؐ کو خبر ہو گئی۔ آپ اُٹھ کر چلے آئے اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ۔ اُنھوں نے انکار کیا اور مقابلہ کی تیاریاں کیں، آنحضرتؐ نے اُن پر قابو پا کر جلاوطن کر دیا، چنانچہ اِن میں سے کچھ شام کو چلے گئے کچھ خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور وہاں حکومت قائم کر لی۔[2]

خیبر والوں میں سلام بن ابی الحقیق۔ کنانہ بن الربیع اور حُیَیّ بن اخطب بڑے بڑے معزز سردار

[1] سیرت ہشام صفحہ ۵۸۲ و طبری صفحہ ۱۴۱۷۔ [2] طبری صفحہ ۱۴۵۲۔

تھے۔ یہ لوگ خیبر میں پہنچکر مطمئن ہوئے تو آنحضرت سے انتقام لینا چاہا۔ مکہ معظمہ میں جا کر قریش کو ترغیب دی، قبائل عرب کا دورہ کیا، اور تمام ملک میں ایک آگ لگا دی۔ چند روز میں دس ہزار آدمی قریش کے علم نیچے جمع ہوگئے اور شوال ۵ھ میں ابوسفیان کی سپہ سالاری میں اس سیلاب نے مدینہ

جنگ خندق یا احزاب ۵ھ ۶۲۷ء کا رخ کیا۔ آنحضرت نے مدینے سے باہر نکل کر سلع[1] کے آگے ایک خندق تیار کرائی۔ عرب میں خندق کا رواج نہ تھا اس لیے کفار کو اسکی کچھ تدبیر بن نہ آئی۔ مجبوراً محاصرہ کرکے ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور رسد وغیرہ بند کر دی۔ ایک مہینے تک محاصرہ رہا۔ کفار کبھی کبھی خندق اُتر کر حملہ کرتے تھے آنحضرت نے اس غرض سے خندق کے اِدھر کچھ کچھ فاصلے پر اکابر صحابہ کو معین کر دیا تھا کہ دشمن اُدھر سے نہ آنے پائے ایک حصے پر حضرت عمر معین تھے چنانچہ یہاں اُن کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے۔ ایک دن کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے زبیر کے ساتھ آگے بڑھ کر روکا اور اُن کی جماعت درہم برہم کر دی۔[2] ایک اور دن کافروں کے مقابلے میں اسقدر اُن کو مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ چنانچہ آنحضرت کے پاس آکر عرض کیا کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا۔ رسول اللہ نے فرمایا میں نے بھی اَب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔

اِس لڑائی میں عمرو بن عبد ود عرب کا مشہور بہادر جو پانسو سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت علی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اِس کے مارے جانے کے بعد اُدھر تو قریش میں کچھ بیدلی پیدا ہوئی، اِدھر نعیم بن مسعود نے جو اسلام لا چکے تھے اور کافروں کو اِن کے اسلام کی خبر نہ تھی جوڑ توڑ سے قریش اور یہود میں پھوٹ ڈلوا دی۔ مختصر یہ کہ کفر کا ابرِ سیاہ جو مدینہ کے اُفق پر چھا گیا تھا روز بروز چھٹتا گیا اور چند روز کے بعد مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

۶ھ ۶۲۸ء میں آنحضرت نے صحابہ کے ساتھ خانۂ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا اور اِس غرض سے کہ قریش

[1] مدینہ سے ملا ہوا ایک پہاڑ ہے۔ [2] یہ واقعہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے لیکن میں نے کسی کتاب میں اسکی سند نہیں پائی۔

واقعہ حدیبیہ ۶ھ ۶۲۸ء

کو لڑائی کا شبہ نہو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ ذوالحلیفہ (مدینہ سے ۶ میل پر ایک مقام ہے) پہنچکر حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اس طرح چلنا مصلحت نہیں چنانچہ رسول اللہ کی خدمت میں عرض کی اور آپ نے انکی رائے کے موافق مدینہ سے ہتھیار منگوائیے۔ جب مکہ معظمہ دو منزل رگہیا تو مکہ سے بشر بن سفیان نے آکر یہ خبر دی کہ تمام قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے۔ رسول اللہ نے چاہا کہ اکابر صحابہ میں کسی کو سفارت کے طور پر بھیجیں کہ ہم کو لڑنا مقصود نہیں چنانچہ حضرت عمرؓ کو اس خدمت پر مامور کرنا چاہا۔ انھوں نے عرض کی کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور میرے خاندان میں وہاں کوئی شخص میرا حامی موجود نہیں۔ عثمانؓ کے عزیز و اقارب وہیں ہیں اس لیے انکو بھیجنا مناسب ہوگا۔ آنحضرت نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمان کو مکہ بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمان کو روک رکھا اور جب کئی دن گزر گئے تو یہ مشہور ہو گیا کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ رسول اللہ نے یہ سن کر صحابہ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے جہاد پر بیعت لی اور چونکہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی یہ واقعہ بیعۃ الشجرۃ کے نام سے مشہور ہوا قرآن مجید کی اس آیت میں لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت کی مناسبت سے اسکو بیعۃ الرضوان بھی کہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے بیعت سے پہلے لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری (غزوہ حدیبیہ) میں ہے کہ حدیبیہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے عبد اللہ کو بھیجا کہ فلاں انصاری سے گھوڑا مانگ لائیں عبد اللہ بن عمر باہر نکلے تو دیکھا کہ آنحضرت لوگوں سے جہاد پر بیعت لے رہے ہیں، انھوں نے بھی جا کر بیعت کی حضرت عمرؓ کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ وہ ہتھیار سج رہے ہیں عبد اللہ نے ان سے بیعت کا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ اسی وقت اٹھے اور جا کر آنحضرت کے ہاتھ پر بیعت کی۔

قریش کو اصرار تھا کہ رسول اللہ مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ بڑے رد و بدل کے بعد

ان شرائط پر معاہدہ ہوا کہ اس دفعہ مسلمان اُلٹے واپس جائیں، اگلے سال آئیں لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھیریں۔ معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے اور اس اثنا میں اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ کے ہاں چلا جائے تو رسول اللہ اُسکو قریش کے پاس واپس بھیجدیں لیکن مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو اُن کو اختیار ہوگا کہ اُسکو اپنے پاس روک لیں۔ اخیر شرط چونکہ بظاہر کافروں کے حق میں زیادہ مفید تھی۔ حضرت عمر کو نہایت اضطراب ہوا، معاہدہ ابھی لکھا نہیں جاچکا تھا کہ وہ حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس طرح دبکر کیوں صلح کی جائے؟ اُنھوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہوگی، لیکن حضرت عمر کو تسکین نہیں ہوئی، خود رسول اللہ کے پاس گئے اور اس طرح گفتگو کی۔ یا رسول اللہ کیا آپ رسول خدا نہیں ہیں؟

رسول اللہ۔ بیشک ہوں۔

حضرت عمر۔ کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں؟

رسول اللہ۔ ضرور ہیں۔

حضرت عمر۔ پھر ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں۔

رسول اللہ صلعم۔ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت عمر کی یہ گفتگو اور خصوصاً اندازِ گفتگو اگرچہ خلافِ ادب تھا چنانچہ بعد میں اُنکو سخت ندامت ہوئی اور اُس کے کفارہ کے لیے روزے رکھے، نفلیں پڑھیں، خیرات دی، غلام آزاد کیے۔[1] تاہم سوال وجواب کی اصل بنا اس نکتہ پر تھی کہ رسول اللہ کے کون سے افعال۔ انسانی حیثیت سے تعلّق رکھتے ہیں اور کون سے رسالت کے منصب سے چنانچہ اسکی مفصّل بحث کتاب کے دوسرے حصّہ میں آئے گی۔

[1] طبری صفحہ ۱۵۴۶

غرض معاہدۂ صلح لکھا گیا اور اُسپر بڑے بڑے اکابر صحابہ کے جس میں حضرت عمرؓ بھی داخل تھے دستخط ثبت ہوئے۔ معاہدہ کے بعد آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ کا قصد کیا، راہ میں سورۂ فتح نازل ہوئی۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو بُلا کر فرمایا کہ مجھ پر آج ایسی سُورہ نازل ہوئی ہے جو مجکو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے، یہ کہکر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا[1]

محدثین نے لکھا ہے کہ اِسوقت تک مُسلمان اور کفّار بالکل الگ الگ رہتے تھے صلح ہوجانے سے آپس میں میل جول ہوا اور رات دن کے چرچے سے اسلام کے مسائل اور خیالات روز بروز زیادہ پھیلتے گئے۔ اسکا یہ اثر ہوا کہ دو برس کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ اسلام لائے ۱۸ برس ماقبل کی وسیع مُدّت میں نہیں لائے تھے[2]۔ جس بنا پر رسول اللہ نے صلح کی تھی اور ابتداءً حضرت عمرؓ کی فہم میں نہ آسکی، وہ یہی مصلحت تھی اور اسی بنا پر خدا نے سورۂ فتح میں اس صلح کو فتح کے لفظ سے تعبیر کیا۔

حضرت عمرؓ کا اپنی بیویوں کو طلاق دینا

اِس زمانے تک کافرہ عورتوں کا عقدِ نکاح میں رکھنا جائز تھا۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ تو یہ امر ممنوع ہوگیا۔ اِس بنا پر حضرت عمرؓ نے اپنی دونوں بیویوں کو جو کافرہ تھیں طلاق دیدی۔ اِنہیں سے ایک کا نام قریبہ اور دوسری کا اُمّ کلثوم بنت جرول تھا۔ اِن دونوں کے طلاق دینے کے بعد، حضرت عمرؓ نے جمیلہؓ سے جو ثابت بن ابی الافلح کی بیٹی تھیں نکاح کیا، حضرت عمرؓ کے فرزند عاصم انہی کے بطن[3] سے تھے۔

اسی سال رسول اللہ صلعم نے سلاطین اور والیانِ مُلک کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے۔

۷ھ جنگ خیبر

۷ھ میں خیبر کا مشہور معرکہ پیش آیا۔ اوپر تم پڑھ آئے ہو کہ قبیلۂ بنو نضیر کے یہودی جو مدینہ منورہ سے نکالے گئے تھے خیبر میں جاکر آباد ہوئے، انہی میں سے سلام و کنانہ وغیرہ نے ۵ھ میں

[1] صحیح بخاری واقعہ حدیبیہ۔ [2] فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۳۴۷ ذکر حدیبیہ [3] طبری واقعات سنہ ۶ھ

قریش کو جاکر بھڑکایا اور اُن کو مدینہ پر چڑھا لائے۔ اِس تدبیر میں اگرچہ اُن کو ناکامی ہوئی لیکن انتقام کے خیال سے وہ باز نہ آئے اور اُسکی تدبیریں کرتے رہتے تھے، چنانچہ ۶ھ میں قبیلۂ بنی سعد نے اُنکی اعانت پر آمادگی ظاہر کی۔ آنحضرتؐ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو حضرت علیؓ کو بھیجا۔ بنو سعد بھاگ گئے اور پانسو اونٹ غنیمت میں ہاتھ آئے[1]۔ پھر قبیلۂ غطفان کو آمادہ کیا چنانچہ جب آنحضرتؐ۔ خیبر کی طرف بڑھے تو سب سے پہلے اِسی قبیلہ نے سدّراہ ہونا چاہا۔ اِن حالات کے لحاظ سے ضرور تھا کہ یہودیوں کا زور توڑ دیا جائے ورنہ مسلمان اُن کے خطرے سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض ۷ھ میں آنحضرتؐ نے چودہ سو پیدل اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر کا رُخ کیا۔ خیبر میں یہودیوں نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنائے تھے مثلاً حصنِ ناعم، حصن قموص، حصنِ صعب، وطیح اور سلالم، یہ سب قلعے جلد جلد فتح ہو گئے لیکن وطیح و سلالم جن پر عرب کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا آسانی سے فتح نہیں ہو سکتے تھے، آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ لیکن وہ ناکام آئے۔ پھر حضرت عمرؓ مامور ہوئے۔ وہ برابر دو دن جا جا کر لڑے لیکن دونوں دن ناکام رہے، آنحضرتؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علَم دونگا جو حملہ آور ہوگا۔ اگلے دن تمام اکابر صحابہ، عَلَمِ نبوی کی اُمّید میں بڑے سروسامان سے ہتھیار سج سج کر آئے۔ اِن میں حضرت عمرؓ بھی تھے اور اُن کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی اِس موقع کے سوا عَلَم برداری اور افسری کی آرزو نہیں کی، لیکن قضاء قدر نے یہ فخر، حضرت علیؓ کے لیئے اُٹھا رکھا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے کسی کی طرف توجّہ نہیں کی اور حضرت علیؓ کو بلا کر عَلَم اُن کو عنایت کیا۔ مرحب۔ حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا اور اُس کے قتل پر اِس معرکہ کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

خیبر کی زمین آنحضرتؐ نے مجاہدوں کو تقسیم کر دی چنانچہ ایک ٹکڑا جسکا نام ثمغ تھا حضرت عمرؓ کے

[1] مواہب لدنیّہ و زرقانی ذکر سریّۂ علیؓ الی بنی سعد۔

حصے میں آیا، حضرت عمر نے اُسکو خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم باب الوقف میں یہ قصہ بہ تفصیل مذکور ہے اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا **وقف** تھا جو عمل میں آیا۔

اسی سال آنحضرت نے حضرت عمر کو ۳۰۔ آدمیوں کے ساتھ قبیلہ ہوازن کے مقابلے کو بھیجا اُن لوگوں نے حضرت عمر کی آمد سُنی تو بھاگ نکلے اور کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔

۸ھ میں **مکہ فتح** ہوا۔ اسکی ابتدا یُوں ہوئی کہ حدیبیہ میں جو صلح قرار پائی تھی اُس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائلِ عرب میں جو چاہے قریش کا ساتھ دے اور جو چاہے اسلام کے سایۂ امن میں آئے۔ چنانچہ قبیلۂ خزاعہ نے آنحضرت کا اور خاندانِ بنو بکر نے قریش کا ساتھ دیا۔ ان دونوں قبیلوں میں مُدّت سے اَن بَن تھی اور بہت سے معرکے ہو چکے تھے۔ لڑائی کا سلسلہ جاری تھا کہ حدیبیہ کی صلح وقوع میں آئی اور شرائطِ معاہدہ کی رُو سے دونوں قبیلے لڑائی سے دست بردار ہو گئے لیکن چند ہی روز کے بعد بنو بکر نے نقضِ عہد کیا اور قریش نے اُن کی اعانت کی یہاں تک کہ خزاعہ نے حرم میں جا کر پناہ لی تب بھی اُنکو پناہ نہ ملی خزاعہ نے جا کر آنحضرت سے استغاثہ کیا، ابوسفیان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو پیش بندی کے لیے مدینہ منورہ پہنچا اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر قریش کی طرف سے تجدیدِ صلح کی درخواست کی، آنحضرت نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ اُٹھ کر حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر کے پاس گیا کہ آپ اس معاملہ کو طے کرا دیجئے۔ حضرت عمر نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل نا اُمید ہو گیا۔

آنحضرت نے مکہ کی تیاریاں شروع کیں، اور رمضان ۸ھ میں ۱۰ ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ مقام مر الظہران میں نزولِ اجلال ہوا تو حضرت عباس، آنحضرت کے خچر پر سوار ہو کر مکہ کی طرف چلے، اُدھر سے ابوسفیان آ رہا تھا حضرت عباس نے اُس سے کہا۔ آ۔ میں تجھکو رسول اللہ سے امن دلا دوں ورنہ آج تیری خیر نہیں، ابوسفیان نے غنیمت سمجھا اور حضرت عباس کے

ساتھ ہولیا۔ راہ میں حضرت عمر کا سامنا ہوا۔ ابوسفیان کو ساتھ دیکھ کر حضرت عمر نے خیال کیا کہ حضرت عباس اس کی سفارش کے لیئے جارہے ہیں۔ بڑی تیزی سے بڑھے، اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مدتوں کے بعد اس دشمن اسلام پر قابو ملا ہے اجازت دیجئے کہ اسکی گردن ماردوں۔ حضرت عباس نے کہا کہ عمر! ابوسفیان اگر عبد مناف کے خاندان سے نہ ہوتا اور تمھارے قبیلہ کا آدمی ہوتا، تو تم اس طرح اسکی جان کے خواہاں نہ ہوتے؛ حضرت عمر نے فرمایا کہ "خدا کی قسم میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجکو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اسوقت ہوئی تھی جب آپ اسلام لائے تھے"[۲]۔ آنحضرت نے حضرت عباس کی سفارش قبول کی اور ابوسفیان کو امن دیا۔

آنحضرت بڑے جاہ وجلال سے مکہ میں داخل ہوئے اور در کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جو بعینہ تاریخوں میں منقول ہے، پھر حضرت عمر کو ساتھ لے کر مقام صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لیئے تشریف فرما ہوئے، لوگ جوق جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے۔ حضرت عمر آنحضرت سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے۔ جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ آنحضرت بیگانہ عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کرتے تھے، حضرت عمر کو ارشاد فرمایا کہ تم ان سے بیعت لو، چنانچہ تمام عورتوں نے انہیں کے ہاتھ پر آنحضرت سے بیعت کی۔

غزوۂ حنین

اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوۂ حنین[۱] کے نام سے مشہور ہے۔ ہوازن عرب کا مشہور اور معزز قبیلہ تھا، یہ لوگ ابتدا سے اسلام کی ترقی کو رقابت کی نگاہ سے دیکھتے آتے تھے آنحضرت جب فتح مکہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے نکلے تو ان لوگوں کو گمان ہوا کہ ہم پر حملہ کرنا مقصود ہے چنانچہ اسی وقت جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت مکہ پہنچے۔ تو مکہ پر حملہ کرنے کے لیئے بڑے سروسامان سے روانہ ہو کر حنین میں ڈیرے ڈالے۔ آنحضرت نے یہ خبر سنی

[۱] حنین - عرفات کے پیچھے ایک وادی کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے نو دس میل ہے۔ [۲] تاریخ طبری۔

تو بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے، حنین میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں مسلمانوں نے پہلے حملے میں ہوازن کو بھگا دیا[۵۱]، لیکن جب غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہوئے تو ہوازن نے حملہ کیا اور اسقدر تیر برسائے کہ مسلمانوں میں ہل چل پڑ گئی اور بارہ ہزار آدمیوں میں سے معدودے چند کے سوا باقی سب بھاگ نکلے۔ اس معرکہ میں جو صحابہ ثابت قدم رہے، انکا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے، اور ان میں **حضرت عمر** بھی شامل ہیں، چنانچہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے۔ محمد بن اسحاق نے جو امام بخاری کے شیوخ حدیث میں داخل ہیں اور مغازی و سیر کے امام مانے جاتے ہیں کتاب المغازی میں لکھا ہے[۵۲] "و با پیغامبر چندتن از مہاجرین و انصار و اہل بیت باز ماندہ بودند مثل ابوبکر و علی و عمر و عباس" الخ۔

لڑائی کی صورت بگڑ کر پھر بن گئی یعنی مسلمانوں کو **فتح** حاصل ہوئی۔ اور ہوازن کے چھ ہزار آدمی گرفتار ہوئے۔

سنہ ۹ھ (۶۳۱ء) میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم۔ عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے آنحضرتؐ نے یہ سنکر صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، اور چونکہ یہ نہایت تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا اس لیئے لوگوں کو زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی چنانچہ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ **حضرت عمر** نے اس موقع پر تمام مال و اسباب میں سے آدھا لا کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا[۵۳]، غرض اسلحہ اور رسد کا سامان مہیا ہو گیا تو آنحضرتؐ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ لیکن مقام تبوک میں پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی اس لیئے چند روز قیام فرما کر واپس آئے۔

---

[۵۱] صحیح مسلم غزوۂ حنین۔ [۵۲] ابن اسحاق کی اصل کتاب میں نے نہیں دیکھی لیکن اسکا ایک نہایت قدیم ترجمہ زبان فارسی میں میری نظر سے گزرا ہے اور عبارت منقولہ اسی سے ماخوذ ہے، یہ ترجمہ سنہ ۶۱۲ھ میں سعد بن زنگی کے حکم سے کیا گیا تھا اور اسکا ایک نہایت قدیم نسخہ الہ آباد کے کتبخانۂ عام میں موجود ہے ۱۲ [۵۳] ترمذی و ابو داؤد میں یہ واقعہ فضائل ابوبکرؓ کے تحت میں منقول ہے لیکن غزوہ کی تعیین نہیں ہے۔

اسی سال آنحضرت نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر اُن سے علیحدگی اختیار کی اور چونکہ لوگوں کو آپ کے طرزِ عمل سے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دیدی اس لئے تمام کو نہایت رنج و افسوس تھا تاہم کوئی شخص آنحضرت کی خدمت میں کچھ کہنے سُننے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا حضرت عمرؓ نے حاضرِ خدمت ہونا چاہا لیکن بار بار اذن مانگنے پر بھی اجازت نہ ملی۔ آخر حضرت عمرؓ نے پکار کر دربان سے کہا کہ "شاید رسول اللہ کو یہ گمان ہے کہ میں حفصہ (حضرت عمر کی بیٹی اور رسول اللہ کی زوجۂ مطہرہ) کی سفارش کے لئے آیا ہوں، خدا کی قسم اگر رسول اللہ حکم دیں تو میں جا کر حفصہ کی گردن ماردوں۱؎"، آنحضرت نے فوراً بلا لیا، حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ کیا آپ نے ازواج کو طلاق دی؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، حضرت عمرؓ نے کہا تمام مسلمان مسجد میں سوگوار بیٹھے ہیں، آپ اجازت دیں تو میں اُنکو یہ مژدہ سُنا آؤں، اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کے تقرب کا اندازہ ہو سکتا ہے، چنانچہ حضرت اُمِ سلمہؓ نے انہیں واقعات کے سلسلے میں ایک موقع پر کہا کہ عمر! تم ہر چیز میں دخیل ہو گئے ہو یہاں تک کہ اب ازواج کے معاملات میں بھی دخل دینا چاہتے ہو"۔

سنہ ۱۰ھ ۶۳۲ء میں تمام اطرافِ عرب سے نہایت کثرت سے سفارتیں آئیں اور ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام کے حلقے میں آئے۔

اسی سال آنحضرت نے حج کے لئے مکہ معظمہ کا قصد کیا اور یہ حج آپ کا آخیر حج تھا۔

سنہ ۱۱ھ ۶۳۲ء ماہ صفر میں آنحضرت نے رومیوں کے مقابلے کے لئے اسامہ بن زید کو مامور کیا اور تمام اکابرِ صحابہ کو حکم دیا کہ اُن کے ساتھ جائیں، لوگ تیار ہو چکے تھے کہ اخیر صفر میں آنحضرت بیمار ہو گئے اور یہ تجویز ملتوی رہ گئی۔

آنحضرت بروایت مشہور ۱۳ دن بیمار رہے۔ بیہقی نے بسندِ صحیح ۱۰ دن کی تعداد بیان کی ہے

۱؎ صحیح مسلم باب الطلاق۔

سلیمان تیمی نے بھی اپنی مغازی میں یہی تعداد لکھی ہے[1]۔ بیماری کی حالت یکساں نہ تھی کبھی بخار کی شدت ہو جاتی تھی اور کبھی اسقدر افاقہ ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ عین وفات کے دن نماز فجر کے وقت طبیعت اِس قدر بحال تھی کہ آپ دروازے تک آئے اور پردہ اُٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو نہایت محظوظ ہوئے اور تبسّم فرمایا۔

قرطاس کا واقعہ

بیماری کا بڑا مشہور واقعہ **قرطاس** کا واقعہ ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ آپنے وفات سے تین دن پہلے قلم اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ میں تمہارے لیئے ایسی چیز لکھوں گا کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو گے" اسپر **حضرت عمر** نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرت کو درد کی شدّت ہے اور ہمارے لیے قرآن کافی ہے"۔ حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ رسول اللہ بہکی باتیں کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) (روایت میں ھجر کا لفظ ہے جسکے معنے ہذیان کے ہیں)

یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے۔ ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہو گی کہ جناب رسول اللہ صلعم بستر مرگ پر ہیں اور اُمّت کے درد و غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں "کہ لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھدوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے"۔ یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لیئے جو ہدایت ہو گی وہ منصبِ نبوّت کے لحاظ سے ہو گی اور اس لیئے اُسمیں سہو و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا باوجود اسکے حضرت عمر بے پروائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے"۔ طُرّہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر ہی نے آنحضرت کے اِس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا۔ (نعوذ باللہ)۔

یہ اعتراض ایک مُدّت سے چلا آتا ہے اور مُسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اِسپر بڑی طبع آزمایاں کی ہیں۔ لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں اور اُصولِ درایت سے کسی نے کام

[1] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۹۸۔

نہیں لیا اس لیے اصل مسئلہ نامنفصل رہا اور عجیب عجیب بیکار بحثیں پیدا ہوگئیں یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ پیغمبر سے ہذیان ہونا ممکن ہے کیونکہ ہذیان انسانی عوارض میں ہے اور آنحضرت عوارض انسانی سے بری نہ تھے۔ یہاں دراصل یہ امر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقے سے روایتوں میں منقول ہے اس سے کسی امر پر استناد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کے لیے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے

(۱) آنحضرت کم و بیش ۱۳ دن تک بیمار رہے۔

(۲) کاغذ و قلم طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں تبصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرت نے دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا اس لیے اس واقعہ کے بعد آنحضرت چار دن تک زندہ رہے۔

(۳) اس تمام مدت بیماری میں آنحضرت کی نسبت، اور کوئی واقعہ اختلال حواس کا کسی روایت میں کہیں مذکور نہیں۔

(۴) اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اس کے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صرف صحیح بخاری میں ۷ طریقوں سے مذکور ہے) بااینہمہ بجز عبداللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔

(۵) عبداللہ بن عباس کی عمر اس وقت صرف ۱۳-۱۴ برس کی تھی۔

(۶) سب سے بڑھکر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اُس موقع پر عبداللہ بن عباس خود موجود نہ تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ اُنھوں نے کس سے سنا[1]۔

(۷) تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت نے کاغذ قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ

[1] بخاری باب کتابۃ العلم میں جو حدیث مذکور ہے اُس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اس واقعہ میں موجود تھے اسلئے محدثین نے اسپر بحث کی ہے اور بدلائل قطعیہ ثابت کیا ہے کہ وہ موجود نہ تھے۔ دیکھو فتح الباری باب کتابۃ العلم۔

بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں"۔ ۵۱

اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرتؐ کے اختلالِ حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں، صرف اسقدر کہنے سے کہ "قلم دوات لاؤ" لوگوں کو ہذیان کا خیال کیونکر پیدا ہو سکتا تھا؟ فرض کر لو کہ انبیاء سے ہذیان سرزد ہو سکتا ہے لیکن اسکے تو یہ معنے نہیں کہ وہ معمولی بات بھی کہیں تو ہذیان سمجھی جائے ایک پیغمبر کا وقت کے قریب یہ کہنا کہ "قلم دوات لاؤ میں ایسی چیز لکھ دوں کہ تم آیندہ گمراہ نہ ہو" اسمیں ہذیان کی کیا بات ہے؟ یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے تب بھی اسقدر بہرحال تسلیم کرنا ہوگا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرتؐ ہوش میں نہیں ہیں اور بیہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرما رہے ہیں۔ پس ایسی روایت سے جس میں کہ راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے، اس کے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جائے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبداللہ بن عباس اس کے راوی ہیں۔ اور یہ کہ اُن کی عمر اُسوقت کل ۱۳۔ ۱۴۔ برس کی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے

۵۱ علامۂ قرطبی نے یہ تاویل کی ہے اور اس پر ان کو ناز ہے کہ لوگوں نے یہ لفظ انکار اور استعجاب کے طور پر کہا تھا یعنے یہ کہ آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے خدا نخواستہ آنحضرتؐ کا قول ہذیان تو نہیں کہ اس پر لحاظ نہ کیا جاوے"۔ یہ تاویل لگتی ہوئی ہے لیکن بخاری و مسلم کی بعض روایتیں میں ایسے صاف الفاظ ہیں جن میں اس تاویل کا احتمال نہیں مثلاً ھجر ھجر (دو دفعہ) یا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یھجر (صحیح مسلم) ۱۲ ۵۲ ہمارے نکتہ سنجوں نے یہ مضمون آفرینی کی ہے کہ چونکہ رسول اللہ لکھنا نہیں جانتے تھے اس لیئے آپ کا یہ فرمانا کہ "میں لکھ دوں" - ہذیان کا قرینہ تھا لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ لکھنے کے معنے لکھوانے کے بھی آتے ہیں اور یہ مجاز عموماً شائع اور ذائع ہے۔

ممکن ہے کہ کسی کوتاہ نظر پر یہ امر گراں گزرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے لیکن اُسکو سمجھنا چاہیئے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھ سکا اِس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ صلعم کی نسبت ہذیان اور حضرت عمرؓ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔

غرض آنحضرتؐ اس واقعہ کے بعد چار دن تک زندہ رہے اور اس اثنا میں وقتاً فوقتاً بہت سی ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں، عین وفات کے دن آپؐ کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہوگیا اور حضرت ابوبکر اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدینۂ منورہ سے دو میل[1] تھا واپس چلے گئے۔ لیکن حضرت عمر۔ وفات کے وقت تک موجود رہے۔ آنحضرتؐ نے ۱۲۔ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہ کے گھر میں انتقال فرمایا۔ سہ شنبہ کو دوپہر ڈھلے پر مدفون ہوئے۔ جماعتِ اسلام کو آپؐ کی وفات سے جو صدمہ ہوا اُس کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

عام روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اسقدر خود رفتہ ہوئے کہ مسجد نبوی میں جاکر اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہیگا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی اُسکو قتل کر ڈالوں گا، لیکن اور قراین اس روایت کی تصدیق نہیں کرتے ہمارے نزدیک چونکہ مدینے میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتنہ پردازی کے لیئے آنحضرتؐ کی وفات کا منتظر تھا اِس لیے حضرت عمرؓ نے مصلحۃً اس خبر کے پھیلنے کو روکا ہوگا اِسی واقعہ نے راویوں کے تغیرات سے مختلف صورت اختیار کرلی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے اِس قیاس سے مطابق نہیں ہوسکتیں۔

سقیفۂ بنی ساعدہ، حضرت ابوبکرؓ کی خلافت، اور حضرت عمرؓ کا استخلاف

یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہوگئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلعم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کرلی جائے

[1] طبری صفحہ ۱۸۰۱۳

کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ اُن کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں، اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضے میں نہ آجائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل اُن لوگوں سے (حضرت ابوبکر و عمر) سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کیے جاتے ہیں، اس فعل کی ناگواری اسوقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علی و خاندان بنی ہاشم، اُن پر فطرتی تعلق کا پورا اثر ہوا اور اسوجہ سے اُن کو آنحضرت کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر (و ابوبکر وغیرہ) آنحضرت کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفۂ بنی ساعدہ کو چلے گئے، یہ بھی سچ ہے کہ اُنھوں نے سقیفہ میں پہنچکر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف ہے کہ گویا اُن پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا یہ بھی سچ ہے کہ اُنھوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علی سے بھی بزور منوانا چاہا، گو بنو ہاشم نے آسانی سے اُنکی خلافت تسلیم نہیں کی۔ لیکن اس بحث میں غور طلب جو باتیں ہیں وہ یہ ہیں

(۱) کیا خلافت کا سوال حضرت عمر وغیرہ نے چھیڑا تھا۔

(۲) کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے۔

(۳) کیا حضرت علی اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے۔

(۴) ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر وغیرہ نے کیا، وہ کرنا چاہیئے تھا یا نہیں۔

دو پہلی بحثوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب، مسند ابو یعلی کی عبارت نقل کرتے ہیں

[1] دیکھو فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۳

بینما نحن فی منزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رجل ینادی من وراء الجدار ان اخرج الی یا ابن الخطاب فقلت الیک عنی فانا عنک مشاغیل یعنی بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ قد حدث امر فان الانصار اجتمعوا فی سقیفۃ بنی ساعدۃ فادرکوا ھم ان یحدثوا امرا یکون فیہ حرب فقلت لابی بکر انطلق۔	حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ کے خانۂ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دفعۃً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ ابن الخطاب! (حضرت عمرؓ) ذرا باہر آؤ۔ میں نے کہا کہ چلو ہٹو، ہم لوگ آنحضرت کے بندوبست میں مشغول ہیں۔ اُسنے کہا ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے جلد پہنچکر اُن کی خبر لو ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کر اٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے اُسوقت میں نے ابوبکرؓ سے کہا کہ چلو۔

اِس سے ظاہر ہوگا کہ نہ حضرت عمرؓ وغیرہ نے، خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا نہ وہ اپنی خوشی سے سقیفۂ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے۔

تیسری بحث کی یہ کیفیت ہے کہ اُس وقت جماعتِ اسلامی تین گروہوں میں تقسیم کی جا سکتی تھی۔ بنو ہاشم جس میں حضرت علی شامل تھے۔ مہاجرین جن کے رئیس و افسر حضرت ابوبکر و عمرؓ تھے۔ انصار جن کے شیخ القبیلہ عبادۃؓ تھے۔ اِن تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا۔ انصار نے تو علانیہ اپنا ارادہ اظہار کر دیا تھا۔ بنو ہاشم کے خیالات ذیل کی روایت سے معلوم ہوں گے۔

آنحضرت کی وفات کے دن حضرت علی مکان سے باہر نکلے، لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ رسول اللہ کا مزاج کیسا ہے۔ چونکہ آنحضرت کی ظاہری حالت بالکل سنبھل گئی تھی۔ حضرت علی نے کہا خدا کے فضل سے آپ اچھے ہو گئے" حضرت عباس نے اِن کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم تم تین دن کے بعد

غلامی کروگے، میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے کیونکہ مجھکو اسکا تجربہ ہے کہ خاندان عبدالمطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے آؤ چلو رسول اللہ سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد یہ منصب (خلافت) کسکو حاصل ہوگا، اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو رسول اللہ ہمارے لیئے وصیت فرمادینگے“ حضرت علی نے کہا میں نہ پوچھوں گا کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرت نے انکار کردیا تو پھر آیندہ کوئی اُمید نہیں رہیگی[1]۔

اس روایت سے حضرت عباس کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی کو آنحضرت کی وفات کا اُسوقت تک یقین نہ تھا اس لیئے اُنھوں نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہیں سمجھا اس کے علاوہ اُن کو اپنے انتخاب کیئے جانے پر بھروسا نہ تھا۔

آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ کے گھر میں ایک مجمع ہوا جس میں تمام بنوہاشم اور اُن کے اتباع شریک تھے اور حضرت علی اُن کے پیشرو تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر کی زبانی روایت ہے:

كان من خبرنا حين توفى الله نبيه ان الانصار خالفونا واجتمعوا باسرهم فى سقيفة بنى ساعدة وخالف عنا على والزبير ومن معهما واجتمع المهاجرون الى ابى بكر	ہماری سرگذشت یہ ہو کہ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو اُٹھا لیا تو انصار نے خاطمہ ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوگئے اور علی وزبیر اور ان کے ساتھیوں نے مخالفت کی اور مہاجرین ابوبکر کے پاس جمع ہوئے۔

یہ تقریر حضرت عمر نے ایک بہت بڑے مجمع عام میں کی تھی جسمیں سیکڑوں صحابہ موجود تھے اس لیئے اسبات کا گمان نہیں ہوسکتا کہ اُنھوں نے کوئی امر خلاف واقع کہا ہو۔ ورنہ لوگ اُنکو وہیں ٹوکتے امام مالک کی روایت میں یہ واقعہ اور صاف ہوگیا ہے، اس کے یہ الفاظ ہیں[2]

وان عليا والزبير ومن كان معهما تخلفوا	اور علی وزبیر اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے وہ حضرت فاطمہ

[1] صحیح بخاری باب مرض النبی مع فتح الباری ۸۔ [2] صحیح بخاری کتاب الحدود باب رجم الحبلی ۵۳ فتح الباری شرح حدیث مذکور۔

فی بیت فاطمۃ بنت رسول اللہ	زہراؓ کے گھر میں ہم سے الگ ہوکر جمع ہوئے۔

تاریخ طبری میں ہے[1]۔

وتخلف علی والزبیر واخترط الزبیر سیفہ وقال لا اغمدہ حتی یبایع علیؓ	اور حضرت علی و زبیر نے علیحدگی اختیار کی اور زبیر نے تلوار میاں سے کھینچ لی اور کہا کہ جب تک علی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے میں تلوار کو میان میں نہ ڈالوں گا۔

اِن تمام روایتوں سے صاف یہ نتائج نکلتے ہیں کہ۔

(۱) آنحضرتؐ کے وفات کے ساتھ ہی خلافت کے باب میں تین گروہ ہو گئے، انصار۔ مہاجرین بنو ہاشم

(۲) مہاجرین حضرت ابوبکرؓ کے، اور بنو ہاشم حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔

(۳) جسطرح حضرت عمرؓ وغیرہ آنحضرتؐ کو چھوڑ کر سقیفہ کو چلے گئے تھے، حضرت علیؓ بھی آنحضرتؐ کے پاس سے چلے آئے تھے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں بنو ہاشم کا مجمع ہوا تھا۔

سقیفہ میں حضرت علیؓ کا نہ جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرتؐ کے غم والم میں مصروف تھے اور اُن کو ایسے پُر درد موقع پر خلافت کا خیال نہیں آسکا تھا بلکہ اُسکی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرینؓ انصار جمع تھے اور اِن دونوں گروہ میں سے کوئی حضرت علیؓ کے دعوے کی تائید نہ کرتا کیونکہ مہاجرین۔ حضرت ابوبکرؓ کو پیشوا تسلیم کرتے تھے اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہؓ تھے۔

اخیر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ بیجا تھا یا بجا؟ اِسکو ہر شخص جو ذرا بھی اُصول تمدّن سے واقفیت رکھتا ہو بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے جسوقت وفات پائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا ہوا تھا جو مدت سے اسبات کے منتظر تھے کہ رسول اللہ کا سایہ اُٹھ جائے تو اسلام کو پامال کردیں۔ اِس نازک وقت میں آیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزع وفزع اور گریہ وزاری میں مصروف رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام

[1] تاریخ طبری صفحہ ۱۰۲۰۔

کر لیا جائے اور ایک منتظم حالت قائم ہو جائے۔ انصار نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر حالت کو اور نازک کر دیا کیونکہ قریش جو انصار کو اسقدر حقیر سمجھتے تھے۔ کہ جنگ بدر میں جب انصار اُن کے مقابلہ کو نکلے تو عتبہ نے آنحضرتؐ کو مخاطب کرکے کہا کہ محمد! ہم نا جنسوں سے نہیں لڑ سکتے"، کسی طرح انصار کے آگے سر تسلیم خم نہیں کر سکتے تھے۔ قریش پر کیا موقوف ہے، تمام عرب کو انصار کی متابعت سے انکار ہوتا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے سقیفہ میں جو خطبہ دیا اُسمیں صاف اس خیال کو ظاہر کیا اور کہا دان العرب لا تعرف هذا الامر الا لهذا الحي من قريش۔ اِسکے علاوہ انصار میں خود دو گروہ تھے اوس اور خزرج اور انہیں باہم اتفاق نہ تھا۔ اِس حالت میں ضرور تھا کہ انصار کے دعویٰ خلافت کو دبا دیا جائے اور کوئی لائق شخص فوراً انتخاب کر لیا جائے۔ مجمع میں جو لوگ موجود تھے اُنہیں سب سے با اثر اور بزرگ اور مسلّم حضرت ابوبکرؓ تھے اور فوراً اُنکا انتخاب ہو بھی جاتا۔ لیکن لوگ انصار کی بحث و نزاع میں پھنس گئے تھے اور بحث طول پکڑ کر قریب تھا کہ تلوار میان سے نکل آئیں، حضرت عمرؓ نے یہ رنگ دیکھ کر دفعتہً حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں۔ ساتھ ہی حضرت عثمانؓ۔ ابوعبیدہ جراحؓ۔ عبدالرحمن بن عوفؓ نے بھی ہاتھ بڑھائے[1] اور پھر عام خلقت ٹوٹ پڑی۔ اِس کارروائی سے ایک اُٹھتا ہوا طوفان رُک گیا، اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ صرف بنو ہاشم اپنے اِدعا پر رُکے رہے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے، حضرت عمرؓ نے بزور اُن سے بیعت لینی چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علیؓ کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنّف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کہ یا بنت رسول اللہ خدا کی قسم آپ ہمکو سب سے زیادہ محبوب ہیں، تاہم اگر آپکے ہاں لوگ اِس طرح مجمع کرتے رہے تو میں اِن لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا"۔

[1] ابن الماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ اول صرف پانچ شخصوں نے بیعت کی تھی۔

اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ اس روایت کی رُواۃ کا حال ہم کو نہیں معلوم ہو سکا تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمر کی تُندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمر نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں اُنہیں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں، لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ اِن ہی بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اُسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وُہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چلکر جناب امیر علیہ السلام اور امیر معاویہ میں واقع ہوئیں۔

حضرت ابوبکر کی خلافت کی مُدّت سوا دو برس ہے کیونکہ اُنھوں نے جمادی الثانی ۱۳ھ میں انتقال کیا۔ اس عہد میں اگرچہ جسقدر بڑے بڑے کام انجام پائے حضرت عمر ہی کی شرکت سے انجام پائے تاہم اُن واقعات کو ہم "الفاروق" میں نہیں لکھ سکتے کیونکہ وہ پھر بھی عہد صدیقی کے واقعات ہیں۔ اور اُس شخص کا حصہ ہیں جسکو حضرت ابوبکر کی سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل ہو۔

حضرت ابوبکر کو اگرچہ مُدتوں کے تجربے سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بارگراں حضرت عمر کے سوا اور کسی سے اُٹھ نہیں سکتا تاہم وفات کے قریب، اُنھوں نے عام رائے کے اندازہ کرنے کے لئے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے عبد الرحمن بن عوف کو بُلا کر پُوچھا اُنھوں نے کہا کہ عمر کی قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن مزاج میں سختی ہے، حضرت ابوبکر نے فرمایا اُن کی سختی اس لئے تھی کہ میں نرم تھا، جب کام اُن ہی پر آپڑے گا تو وہ خود بخود نرم ہو جائینگے۔ پھر حضرت عثمان کو بُلا کر پُوچھا اُنھوں نے کہا۔ میں اسقدر کہہ سکتا ہوں کہ عمر کا باطن، ظاہر سے اچھا ہے۔ اور ہم لوگوں میں اُن کا جواب نہیں" جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعضوں کو تردد ہوا چنانچہ طلحہ نے حضرت ابوبکر سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے، عمر کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ

تھا، اب خلافت تم خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے، آپ اب خدا کے ہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا۔ حضرت ابوبکر نے کہا میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا۔ یہ کہہ کر حضرت عثمان کو بلایا اور عہدنامۂ خلافت لکھوانا شروع کیا۔ ابتدائی الفاظ لکھوا چکے تھے کہ غش آ گیا۔ حضرت عثمان نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ "میں عمر کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں" تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمان سے کہا کہ کیا لکھا تھا مجھکو پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عثمان نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور کہا کہ خدا تم کو جزائے خیر دے۔" عہدنامہ لکھا جا چکا تو حضرت ابوبکر نے اپنے غلام کو دیا کہ جا کر مجمع عام میں سنائے پھر خود بالاخانہ پر جا کر لوگوں سے جو نیچے جمع تھے مخاطب ہوئے اور کہا کہ میں نے اپنے کسی بھائی بند کو خلیفہ نہیں مقرر کیا بلکہ عمر کو مقرر کیا، کیا تم لوگ اس پر راضی ہو؟ سب نے سمعنا واطعنا کہا۔ پھر حضرت عمر کو بلا کر نہایت مؤثر اور مفید نصیحتیں کیں جو حضرت عمر کے لئے عمدہ دستورالعمل کے بجائے کام آئیں۔

خلافت اور فتوحات

حضرت ابوبکر کے عہد میں مرتدین عرب اور مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا۔ خلافت کے دوسرے ہی برس یعنی ۱۲ھ ہجری میں عراق پر لشکر کشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے ۱۳ھ ہجری میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں تمام اضلاع میں پھیل گئیں۔ ان مہمات کا ابھی آغاز ہی تھا کہ حضرت ابوبکر کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر نے عنان خلافت ہاتھ میں لی تو سب سے ضروری کام انہی مہمات کا انجام دینا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم ان واقعات کی تفصیل لکھیں یہ بتانا ضرور ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کو فارس و شام سے کیا تعلقات تھے۔

عرب کا نہایت قدیم خاندان جو عرب بائدہ کے نام سے مشہور ہے اگرچہ اسکے حالات بالکل

نامعلوم ہیں، تاہم اسقدر مشہور ہے کہ عاد اور عمالقہ نے عراق پر قبضہ کر لیا تھا۔ عرب عاربہ جو یمن کے فرمانروا تھے اُنکی حکومت ایک زمانے میں بہت زور پکڑ گئی تھی۔ یہاں تک کہ چند بار عراق پر قابض ہوگئے اور سلطنتِ فارس کے ساتھ اُن کو ہمسری کا دعویٰ رہا۔

رفتہ رفتہ عرب خود حکومتِ فارس کے علاقہ میں آباد ہونے شروع ہوئے۔ بخت نصر نے جو بابل کا بادشاہ تھا اور بیت المقدس کی بربادی نے اُسکے نام کو شہرت دیدی ہے جب عرب پر حملہ کیا تو بہت سے قبیلے اُس کے مطیع ہوگئے اور اس تعلق سے عراق میں جا کر آباد ہوگئے۔ رفتہ رفتہ معد بن عدنان کی بہت سی نسلیں ان مقامات میں آباد ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔ اور چونکہ اُس زمانے میں سلطنتِ فارس میں طوائف الملوکی قائم ہوگئی تھی، عربوں نے مستقل حکومت قائم کر لی جسکا پہلا فرماں روا مالک بن فہم عدنانی تھا۔ اس خاندان میں جذیمۃ الابرش کی سلطنت نہایت وسیع ہوئی اسکا بھانجا عمرو بن عدی جو اسکے بعد تخت نشین ہوا اُس نے حیرہ کو دار السلطنت قرار دیا اور عراق کا بادشاہ کہلایا۔ اس دور میں اسقدر تمدن پیدا ہوگیا تھا کہ ہشام کلبی کا بیان ہے[1] کہ میں نے عرب کے زیادہ تر حالات اور فارس و عرب کے تعلقات زیادہ تر انہی کتابوں سے معلوم کیے جو حیرۃ میں اُس زمانے میں تصنیف ہوئی تھیں۔ اسی زمانے میں اردشیر بن بابک نے طوائف الملوکی مٹا کر ایک وسیع سلطنت قائم کی اور عمرو بن عدی کو باجگذار بنا لیا۔ عمرو بن عدی کا خاندان اگرچہ مدت تک عراق میں فرمانروا رہا لیکن درحقیقت وہ سلطنتِ فارس کا ایک صوبہ تھا۔

شاپور بن اردشیر جو سلسلۂ ساسانیہ کا دوسرا فرمانروا تھا اس کے عہد میں حجاز و یمن دونوں باجگذار ہوگئے اور امرء القیس کندی ان صوبوں کا گورنر مقرر ہوا۔ تاہم مطیع ہو کر رہنا عرب کی فطرت کے خلاف تھا اس لئے جب کبھی موقع ملتا تھا تو بغاوت برپا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ شاپور ذو الاکتاف جب

۱؎ ہشام کلبی نے یہ تصریح کتاب التیجان میں کی ہے۔

صغرسنی میں فارس کے تخت پر بیٹھا تو تمام عرب میں بغاوت پھیل گئی یہاں تک کہ قبیلہ عبدالقیس نے خود فارس پر حملہ کردیا اور ایاد نے عراق کے صوبے دبا لیے۔ شاپور بڑا ہو کر بڑے عزم و استقلال کا بادشاہ ہوا اور عرب کی بغاوت کا انتقام لینا چاہا۔ ہجر میں پہنچکر نہایت خونریزی کی اور قبیلہ عبدالقیس کو برباد کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا۔ رؤسائے عرب جو گرفتار ہو کر اُس کے سامنے آتے تھے اُن کے شانے اکھڑوا ڈالتا تھا چنانچہ اسی وجہ سے عرب میں وہ ذوالاکتاف کے لقب سے مشہور ہے۔

سلاطینِ حیرہ میں سے نعمان بن منذر نے جو کسریٰ پرویز کے زمانے میں تھا عیسوی مذہب قبول کرلیا۔ اور اس تبدیلِ مذہب پر یا اور کسی سبب سے پرویز نے اُسکو قید کردیا اور قید ہی میں اُس نے وفات پائی۔ نعمان نے اپنے ہتھیار وغیرہ ہانی کے پاس امانت رکھوا دیئے تھے جو قبیلہ بکر کا سردار تھا۔ پرویز نے اُس سے وہ چیزیں طلب کیں اور جب اُسنے انکار کیا تو ہرمزان کو دو ہزار فوج کے ساتھ بھیجا کہ بزور چھین لائے۔ بکر کے تمام قبیلے ذی قار ایک مقام میں بڑے سروسامان سے جمع ہوئے اور سخت معرکہ ہوا۔ فارسیوں نے شکست کھائی، اس لڑائی میں جناب رسول اللہ بھی تشریف رکھتے تھے اور آپنے فرمایا کہ۔

ھذا اوّل یوم انتصفت العرب من العجم یعنی "یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا"

عرب کے تمام شعرا نے اس واقعہ پر بڑے فخر اور جوش کے ساتھ قصیدے اور اشعار لکھے۔ سنہ ۶ھ میں جب رسول اللہ صلعم نے تمام بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے تو باوجود اسکے کہ ان خطوط میں جنگ وجدل کا اشارہ تک نہ تھا پرویز نے خط پڑھ کر کہا کہ "میرا غلام ہو کر مجھکو یوں لکھتا ہے" اس پر بھی قناعت نہ کی بلکہ باذان کو جو یمن کا عامل تھا لکھا کہ کسی کو بھیجدو کہ محمدؐ کو گرفتار کر کے دربار میں لائے" اتفاق سے اسی زمانے میں پرویز کو اُس کے بیٹے نے ہلاک کردیا اور معاملہ یہیں تک رہ گیا۔

رومی سلطنت سے عرب کا جو تعلق تھا یہ تھا کہ عرب کے چند قبیلے سلیح و غسان و جذام وغیرہ تمام

کے سرحدی اضلاع میں جاکر آباد ہوگئے تھے۔ اِن لوگوں نے رفتہ رفتہ شام کے اندرونی اضلاع پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور زیادہ قوت و جمعیت حاصل کر کے شام کے بادشاہ کہلانے لگے تھے۔ لیکن یہ لقب خود اِن کا خانہ ساز لقب تھا اور نہ جیسا کہ مورخ ابن الاثیر نے تصریح کی ہے درحقیقت وہ رومی سلطنت کے صوبہ دار تھے۔ اِن لوگوں نے اِسلام سے بہت پہلے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور اِس وجہ سے اُن کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت ہوگئی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح وہ بھی اسلام کے دشمن نکلے۔ سنہ ۶ھ میں جب رسول اللہ صلعم نے قیصرِ روم کو دعوتِ اسلام کا خط لکھا اور دحیہ کلبی (جو خط لے کر گئے تھے) واپس آتے ہوئے ارضِ جذام میں پہنچے تو اِن ہی شامی عربوں نے دحیہ پر حملہ کیا اور اِن کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اِسی طرح جب رسول اللہ نے حارث بن عمیر کو خط دیکر بُصریٰ کے حاکم کے پاس بھیجا تو عمرو بن شرجیل نے اُن کو قتل کرا دیا۔ چنانچہ اُس کے انتقام کے لیئے رسول اللہ نے ۸ھ میں لشکرکشی کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا۔ اِس لڑائی میں زید بن حارثہ، حضرت جعفر طیار، عبداللہ بن رواحہ، جو بڑے رتبہ کے صحابہ تھے شہید ہوئے اور گو خالد کی حکمتِ عملی سے فوج صحیح وسلامت نکل آئی تاہم نتیجۂ جنگ درحقیقت شکست تھا۔

۹ھ میں رومیوں نے خاص مدینہ پر حملے کی تیاریاں کیں۔ لیکن جب رسول اللہ صلعم خود پیشقدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچے تو اُن کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اگرچہ اُس وقت عارضی طور سے لڑائی رُک گئی۔ لیکن رومی اور غسانی مسلمانوں کی فکر سے کبھی غافل نہیں رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مدینہ پر چڑھ نہ آئیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہ کی نسبت مشہور ہوا کہ آپ نے ازواجِ مطہرات کو طلاق دیدی تو ایک شخص نے حضرت عمر سے جاکر کہا کچھ تم نے سُنا!! حضرت عمر نے فرمایا کیوں؟ کہیں غسانی تو نہیں چڑھ آئے؟ اِسی حفظِ ماتقدم کے لیئے سنہ ۱۱ ہجری میں رسول اللہ نے اُسامہ بن زید کو سردار بناکر شام کی مہم پر بھیجا اور چونکہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ

تھا حضرت ابوبکر و عمر اور بڑے بڑے نامور صحابہ مامور ہوئے کہ فوج کے ساتھ جائیں۔ اُسامہ ابھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ نے بیمار پڑ کر انتقال فرمایا۔ غرض جب حضرت ابوبکر مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو عرب کی یہ حالت تھی کہ وہ دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف بن چکا تھا۔ حضرت ابوبکر نے شام پر لشکر کشی کی تو فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "تم میں جو شخص مارا جائیگا شہید ہوگا اور جو بچ جائیگا مُدافع عن الدین ہوگا یعنی دین کو اُس نے دشمنوں کے حملے سے بچایا ہوگا"

اِن واقعات سے ظاہر ہوگا کہ حضرت ابوبکر نے جو کام شروع کیا اور حضرت عمر نے جسکی تکمیل کی اُس کے کیا اسباب تھے؟ اس تمہیدی بیان کے بعد ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں۔

فتوحاتِ عراقؔ

فارس کی حکومت کا چوتھا دَور جو ساسانی کہلاتا ہے نوشیروانِ عادل کی وجہ سے بہت نامور ہے۔ آنحضرت کے زمانے میں اسی کا پوتا پرویز تخت نشین تھا۔ اس مغرور بادشاہ کے زمانے تک سلطنت نہایت قوی اور زور آور رہی۔ لیکن اسکے مرنے کے ساتھ دفعۃً ایسی اَبتری پیدا ہوگئی کہ ایوانِ حکومت مُدّت تک متزلزل رہا۔ شیرویہ اُس کے بیٹے نے کُل آٹھ مہینے حکومت کی اور اپنے تمام بھائیوں کو جو کم و بیش ۱۵ تھے قتل کرادیا۔ اُس کے بعد اُسکا بیٹا اردشیر ۷ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا لیکن ڈیڑھ برس کے بعد دربار کے ایک افسر نے اُسکو قتل کردیا اور آپ بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ سنہ

لہ جغرافیہ نویسوں نے عراق کے دو حصے کئے ہیں یعنے جو حصہ عرب سے ملحق ہے اُسکو عراقِ عرب اور جو حصہ عجم سے ملحق ہے اُسکو عراقِ عجم کہتے ہیں۔ عراقِ عرب کی حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں جزیرہ، جنوب میں بحرِ فارس، مشرق میں خوزستان اور مغرب میں دیار بکر ہے جسکا مشہور شہر موصل ہے۔ دار السلطنت اسکا بغداد ہے اور جو بڑے بڑے شہر اسمیں آباد ہیں وہ بصرہ، کوفہ، واسط، وغیرہ ہیں ۱۲ سلہ ہمارے مؤرخین کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ سنین کو عنوان قرار دیتے ہیں لیکن اسمیں نقص یہ ہے کہ واقعات کا سلسلہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً وہ ایران کی فتوحات لکھتے آتے ہیں کہ سنہ ختم ہوجاتا ہے اور انکو اس سنہ کے تمام واقعات لکھنے ہیں اس لیئے قبل اسکے کہ ایران کی فتوحات تمام ہوں ناموزوں موقع پر اُن کا سلسلہ توڑتے۔ شام و مصر کے واقعات کو جو اسی سنہ میں پیش آئے تھے چھیڑ دینا پڑتا ہے اسلیئے ہم نے ایران کی تمام فتوحات کو ایک جا۔ شام کو ایک جا۔ اور مصر کو ایک جا لکھا ہے ۱۲

ہجری کا بارھواں سال تھا۔ چند روز کے بعد درباریوں نے اسکو قتل کر کے جواں شیر کو تخت نشین کیا وہ ایک برس کے بعد قضا کر گیا۔ اب چونکہ خاندان میں یزدگرد کے سوا جو نہایت صغیر السن تھا اولاد ذکور باقی نہیں رہی تھی۔ پوران دخت کو اس شرط پر تخت نشین کیا گیا کہ **یزدگرد** سن شعور کو پہنچ جائیگا تو وہی تاج و تخت کا مالک ہوگا۔[1]

پرویز کے بعد جو انقلاب حکومت ہوتے رہے اسکی وجہ سے ملک میں جابجا بے امنی پھیل گئی چنانچہ پوران کے زمانے میں یہ مشہور ہو گیا کہ فارس میں کوئی وارث تاج و تخت نہیں رہا۔ برائے نام ایک عورت کو ایوان شاہی میں بٹھا رکھا ہے۔ اس خبر کی شہرت کے ساتھ عراق میں قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر عراق کی سرحد **حیرۃ و ابلہ** کی طرف غارتگری شروع کی۔[2] یہ حضرت **ابوبکر** کی خلافت کا زمانہ تھا اور خالد سیف اللہ یمامہ اور دیگر قبائل عرب کی مہمات سے فارغ ہو چکے تھے۔ **مثنیٰ** نے حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی۔ مثنیٰ خود اگرچہ اسلام لا چکے تھے لیکن اسوقت تک اُن کا تمام قبیلہ عیسائی یا بت پرست تھا۔ حضرت ابوبکر کی خدمت سے واپس آکر اُنھوں نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی ترغیب دی اور قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔[3]

ان نو مسلموں کا ایک بڑا گروہ لیکر عراق کا رخ کیا۔ اِدھر حضرت ابوبکر نے خالد کو مدد کے لیئے بھیجا۔ خالد نے عراق کے تمام سرحدی مقامات فتح کر لیئے اور حیرۃ پر علم فتح نصب کیا۔ یہ مقام کوفہ سے تین میل ہے اور چونکہ یہاں نعمان بن منذر نے خورنق ایک مشہور محل بنایا تھا وہ ایک یادگار مقام خیال کیا جاتا تھا۔

---

[1] شیرویہ کے بعد سلسلۂ حکومت کی ترتیب اور ناموں کی تعیین میں مؤرخین اسقدر مختلف ہیں کہ دو مورخ بھی باہم متفق نہیں۔ فردوسی کا بیان سب سے الگ ہی۔ میں نے بلحاظ قدیم العہد اور فارسی النسل ہونیکے ابوحنیفہ دینوری کے بیان کو ترجیح دی ہے ۱۲ [2] اخبار الطوال ابوحنیفہ دینوری ۱۲

[3] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۴۱۔

عراق کی یہ فتوحات خالد کے بڑے بڑے کارناموں پر مشتمل ہیں لیکن اُن کے بیان کرنے کا یہ محل نہیں خالد نے مہمات عراق کا خاتمہ کر دیا ہوتا۔ لیکن چونکہ اُدھر شام کی مہم درپیش تھی اور جس زور شور سے وہاں عیسائیوں نے لڑنے کی تیاریاں کی تھیں اُس کے مقابلے کا وہاں پورا سامان نہ تھا حضرت ابوبکر نے ربیع الثانی ۱۳ھ[1] ہجری میں خالد کو حکم بھیجا کہ فوراً شام کو روانہ ہوں اور مثنیٰ کو اپنا جانشین کرتے جائیں۔ خالد اُدھر روانہ ہوئے اور عراق کی فتوحات دفعۃً رک گئیں۔

حضرت عمرؓ۔ مسندِ خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ کی۔ بیعتِ خلافت کے لیئے تمام اطراف و دیار سے بے شمار آدمی آئے تھے اور تین دن تک اژدہام کا تانتا بندھا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مجمع عام میں جہاد کا وعظ کہا لیکن چونکہ لوگوں کا عام خیال تھا کہ عراق حکومتِ فارس کا پایۂ تخت ہے اور وہ خالد کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا اس لیئے سب خاموش رہے حضرت عمرؓ نے کئی دن تک وعظ کہا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن اس جوش سے تقریر کی کہ حاضرین کے دل ہل گئے۔ مثنیٰ شیبانی نے اُٹھ کر کہا کہ "مسلمانو! ہم نے مجوسیوں کو آزما لیا ہے وہ مردِ میدان نہیں ہیں۔ عراق کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کر لیا ہے اور عجم ہمارا لوہا مان گئے ہیں" حاضرین میں ابو عبیدؓ ثقفی بھی تھے جو قبیلۂ ثقیف کے مشہور سردار تھے۔ وہ جوش میں آکر اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ انا لھذا یعنی "اس کام کے لیئے میں ہوں" ابو عبید کی ہمت نے تمام حاضرین کو گرما دیا۔ اور ہر طرف سے غلغلہ اُٹھا کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ منوّرہ اور مضافات سے ہزار[2] آدمی انتخاب کیئے۔ اور ابو عبید کو سپہ سالار مقرر کیا۔

ابو عبید کو آنحضرتؐ کی صحبت کا شرف حاصل نہ تھا یعنی صحابی نہ تھے۔ اِسوجہ سے اُن کی افسری پر کسی کسی کو خیال ہوا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آزادانہ کہا کہ "عمر! صحابہ میں سے کسی کو یہ منصب دو فوج

[1] بلاذری صفحہ ۲۵ [2] یہ بلاذری کی روایت ہے ابوحنیفہ دینوری نے ۵ ہزار تعداد لکھی ہے ۱۲

فوج میں سینکڑوں صحابہ ہیں اور اُن کا افسر بھی صحابی ہی ہو سکتا ہے" حضرت عمر نے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ "تم کو جو شرف تھا وہ ہمت اور استقلال کی وجہ سے تھا۔ لیکن اس شرف کو تم نے خود کھو دیا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جو لوگ لڑنے سے جی چُرائیں وہ افسر مقرر کیے جائیں"۔ تاہم چونکہ صحابہ کی دلجوئی ضرور تھی۔ ابوعبید کو ہدایت کی کہ انکا ادب ملحوظ رکھنا اور ہر کام میں اُن سے مشورہ لینا۔

حضرت ابوبکر کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اُس نے ایرانیوں کو چونکا دیا تھا۔ چنانچہ پوران دخت نے رستم کو جو فرخ زاد گورنر خراسان کا بیٹا اور نہایت شجاع اور صاحب تدبیر تھا دربار میں طلب کیا اور وزیر حرب مقرر کر کے کہا کہ تو سیاہ وسپید کا مالک ہے۔ یہ کہہ کر اُس کے سر پر تاج رکھا اور درباریوں کو جن میں تمام اُمرا اور اعیانِ سلطنت شامل تھے تاکید کی کہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہ کریں چونکہ اہلِ فارس اپنی نااتفاقیوں کا نتیجہ دیکھ چکے تھے۔ اُنھوں نے دل سے ان احکام کی اطاعت کی اسکا یہ اثر ہوا کہ چند روز میں تمام بدانتظامیاں مٹ گئیں۔ اور سلطنت نے پھر وہی زور و قوت پیدا کرلی جو ہرمز و پرویز کے زمانے میں اُسکو حاصل تھی۔

رستم نے پہلی تدبیر یہ کی کہ اضلاعِ عراق میں ہر طرف ہرکارے اور نقیب دوڑا دیے جنھوں نے مذہبی حمیت کا جوش دلا کر تمام ملک میں مسلمانوں کے برخلاف بغاوت پھیلا دی۔ چنانچہ ابوعبید کے پہنچنے سے پہلے پہلے فرات کے تمام اضلاع میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضے میں آ چکے تھے اُن کے ہاتھ سے نکل گئے۔ پوران دخت نے رستم کی اعانت کے لیے ایک اور فوج گراں طیار کی اور نرسی و جاپان کو سپہ سالار مقرر کیا۔ جاپان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا اور عرب سے اُسکو خاص عداوت تھی۔ نرسی۔ کسریٰ کا خالہ زاد بھائی تھا اور عراق کے بعض اضلاع، قدیم سے اُسکی جاگیر تھے۔ یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے۔ ادھر ابوعبید و مثنیٰ حیرہ تک پہنچ چکے تھے۔ کہ دشمن کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا، مصلحت دیکھ کر خفان کو ہٹ آئے۔ جاپان

نمارق پہنچکر خیمہ زن ہوا۔

ابو عبید نے اس اثنا میں فوج کو سر و سامان سے آراستہ کر لیا۔ اور پیشقدمی کرکے خود حملے کے لیئے بڑھے، نمارق پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ جاپان کے میمنہ و میسرہ پر جوشن شاہ اور مردان شاہ دو مشہور افسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے۔ لیکن بالآخر شکست کھائی اور عین معرکہ میں گرفتار ہو گئے۔ مردان شاہ۔ بدقسمتی سے اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ لیکن جاپان اس حیلے سے بچ گیا کہ جس شخص نے اسکو گرفتار کیا تھا وہ اسکو پہچانتا نہ تھا جاپان نے اس سے کہا کہ اس بڑھاپے میں میں تمہارے کس کام کا ہوں مجھکو چھوڑ دو۔ اور معاوضے میں مجھ سے دو جوان غلام لو۔ اس نے منظور کر لیا۔ بعد کو لوگوں نے جاپان کو پہچانا تو غل مچایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتے لیکن ابو عبید نے کہا کہ اسلام میں بدعہدی جائز نہیں۔

ابو عبید نے اس معرکہ کے بعد کسکر کا رخ کیا جہاں نرسی فوج لیئے پڑا تھا۔ سقاطیہ میں دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ نرسی کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا اور خود کسرےٰ کے دو ماموں زاد بھائی بندویہ اور تیرویہ۔ میمنہ اور میسرہ پر تھے۔ تاہم نرسی اس وجہ سے لڑائی میں دیر کر رہا تھا کہ پایہ تخت سے امدادی فوجیں روانہ ہو چکی تھیں۔ ابو عبید کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی۔ انھوں نے بڑھ کر جنگ شروع کر دی۔ بہت بڑے معرکے کے بعد نرسی کو شکست فاش ہوئی۔ ابو عبید نے خود سقاطیہ میں مقام کیا اور تھوڑی تھوڑی سی فوجیں ہر طرف بھیجدیں کہ ایرانیوں نے جہاں جہاں پناہ لی ہے اُن کو وہاں سے نکال دیں۔

فرخ اور فراوندا د جو باروسما اور زوابی کے رئیس تھے مطیع ہو گئے چنانچہ اظہار خلوص کے لیے ایک دن ابو عبید کو نہایت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر بھیجے۔ ابو عبید نے دریافت کیا کہ یہ سامان کل فوج کے لیئے ہے یا صرف میرے لیے؟ فرخ نے کہا اس جلدی میں ساری فوج کا اہتمام

نہیں ہوسکتا تھا۔ ابوعبیدہ نے دعوت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ مسلمانوں میں ایک کو دوسرے پر کچھ ترجیح نہیں۔

اس شکست کی خبر سن کر رستم نے مردان شاہ کو جو عرب سے دلی عداوت رکھتا تھا اور جس کو نوشیرواں نے تقدس کے لحاظ سے بہمن کا خطاب دیا تھا چار ہزار فوج کے ساتھ اس سامان سے روانہ کیا کہ درفش کاویانی جو کئی ہزار برس سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آتا تھا اور فتح وظفر کا دیباچہ سمجھا جاتا تھا اُس کے سر پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جسکا نام مروحہ تھا دونوں حریف صف آرا ہوئے۔ چونکہ بیچ میں دریا حائل تھا بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تم اس پار اُتر کر آؤ یا ہم آئیں۔ ابوعبیدہ کے تمام سرداروں نے یک زبان ہوکر کہا کہ ہم کو اسی طرف رہنا چاہیئے۔ لیکن ابوعبیدہ جو شجاعت کے نشے میں سرشار تھے سمجھے کہ یہ نامردی کی دلیل ہے سرداروں سے کہا یہ نہیں ہوسکتا کہ جانبازی کے میدان میں مجوسی ہم سے آگے بڑھ جائیں"۔ مردان شاہ جو پیغام لیکر آیا تھا اُس نے کہا ہماری فوج میں عام خیال ہے کہ "عرب مرد میدان نہیں ہیں" اس جملے نے اور بھی اشتعال دلایا اور ابوعبیدہ نے اُسیوقت فوج کو کمر بندی کا حکم دیدیا۔ مثنیٰ اور سلیط وغیرہ بڑے بڑے افسران فوج اس رائے کے بالکل مخالف تھے اور عظمت وشان میں اُنکا رتبہ ابوعبیدہ سے بڑھکر تھا۔ جب ابوعبیدہ نے اصرار کیا تو اُن لوگوں نے کہا کہ اگرچہ ہم کو قطعی یقین ہے کہ اس رائے پر عمل کرنے سے تمام فوج غارت ہوگی تاہم اس وقت تم افسر ہو اور افسر کی مخالفت ہمارا شیوہ نہیں۔ غرض کشتیوں کا پل باندھا گیا اور تمام فوج پار اُتر کر غنیم سے معرکہ آرائی ہوئی۔ پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا اس لیئے مسلمانوں کو موقع نہیں ملسکتا تھا کہ فوج کو ترتیب سے آراستہ کرسکتے۔

ایرانی فوج کا نظارہ نہایت مہیب تھا۔ بہت سے کوہ پیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے لٹکتے تھے اور بڑے زور سے بجتے جاتے تھے۔ گھوڑوں پر آہنی پاکھریں تھیں۔ سوار سمور کی لمبی ٹوپیاں

اُڑتے ہوئے صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ مہیب نظارہ کبھی نہیں دیکھا تھا بِدک کر پیچھے ہٹے۔ ابو عبید نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے سامنے کچھ زور نہیں چلتا، گھوڑے سے کود پڑے اور ساتھیوں کو للکارا کہ جانبازو! ہاتھیوں کو بیچ میں سے لو اور ہودوں کو سواروں سمیت اُلٹ دو۔ اس آواز کے ساتھ سب گھوڑوں سے کُود پڑے اور ہودوں کی رسّیاں کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو خاک پر گرا دیا۔ لیکن ہاتھی جس طرف جھکتے تھے صف کی صف پس جاتی تھی۔ ابو عبید یہ دیکھ کر پیل سفید پر جو سب کا سردار تھا حملہ آور ہوئے اور سونڈ پر تلوار ماری کہ مستک سے الگ ہو گئی۔ ہاتھی نے بڑھ کر اُن کو زمین پر گرا دیا اور سینے پر پاؤں رکھ دیئے کہ ہڈیاں تک چُور چُور ہو گئیں۔

ابو عبید کے مرنے پر اُن کے بھائی حکم نے علم ہاتھ میں لیا اور ہاتھی پر حملہ آور ہوئے اُس نے ابو عبید کی طرح اُن کو بھی پاؤں میں لپیٹ کر مسل دیا۔ اس طرح سات آدمیوں نے جو سب کے سب ابو عبید کے ہم نسب اور خاندانِ ثقیف سے تھے، باری باری علم ہاتھ میں لیے اور مارے گئے آخر میں مثنیٰ نے علم لیا۔ لیکن اُس وقت لڑائی کا نقشہ بگڑ چکا تھا اور فوج میں بھاگڑ پڑ چکی تھی۔ طرّہ یہ ہوا کہ ایک شخص نے دوڑ کر پُل کے تختے توڑ دیئے کہ کوئی شخص بھاگ کر جانے نہ پائے۔ لیکن لوگ اس طرح بدحواس ہو کر بھاگے تھے کہ پُل کی طرف رستہ نہ ملا تو دریا میں کُود پڑے۔ مثنیٰ نے دوبارہ پُل بندھوایا اور سواروں کا ایک دستہ بھیجا کہ بھاگنے والوں کو اطمینان سے پار اُتار دے۔ خود بچی کھچی فوج کے ساتھ دشمن کا آگا روک کر کھڑے ہوئے اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ ایرانی جو مسلمانوں کو دباتے آتے تھے رُک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے۔ تاہم حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار رہ گئی۔

اسلام کی تاریخ میں۔ میدانِ جنگ سے فرار کرنا نہایت شاذ و نادر وقوع میں آیا ہو اور اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آگیا ہے تو اس کا عجیب افسوسناک اثر ہوا ہے۔ اس لڑائی میں جن لوگوں کو

یہ ذلت نصیب ہوئی تھی وہ مدت تک خانہ بدوش پھرتے رہے اور شرم سے اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے اکثر رویا کرتے اور لوگوں سے مونہ چھپاتے پھرتے۔ مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی تو ماتم پڑگیا۔ لوگ مسلمانوں کی بدقسمتی پر افسوس کرتے تھے اور روتے تھے۔ جو لوگ مدینہ پہنچکر گھروں میں روپوش تھے اور شرم سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے پاس جاکر ان کو تسلّی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ میں داخل ہو لیکن ان کو اس تاویل سے تسلّی نہیں ہوتی تھی۔

یہ واقعہ (حسب بیان بلاذری) ہفتہ کے دن رمضان ۱۳ھ میں واقع ہوا۔ اس لڑائی میں نامور صحابیوں میں سے جو لوگ شہید ہوئے۔ وہ سلیط۔ ابو زید انصاری۔ عقبہ وعبد اللہ پسران قبطی بن قیس۔ یزید بن قیس الانصاری۔ ابو امیۃ الفزاری وغیرہ تھے۔

واقعۂ بویب رمضان ۱۴ھ ۶۳۵ء

اس شکست نے حضرت عمرؓ کو سخت برہم کیا اور نہایت زور شور سے حملہ کی تیاریاں کیں تمام عرب میں خطبا اور نقیب بھیجدیے۔ جنھوں نے پُرجوش تقریروں سے تمام عرب میں ایک آگ لگادی اور ہر طرف سے عرب کے قبائل اُمنڈ آئے۔ قبیلۂ ازد کا سردار مخنف بن سلیم سات سَو سواروں کو ساتھ لے کر آیا۔ بنو تمیم کے ہزار آدمی حصین بن معبد کے ساتھ آئے۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی ایک جمعیت کثیر لیکر پہنچے۔ اسی طرح قبیلہ رباب۔ بنو کنانہ۔ خثعم۔ بنو حنظلہ۔ بنو ضبہ کے بڑے بڑے جتھے اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ آئے۔ یہ جوش یہاں تک پھیلا کہ نمر و تغلب کے سرداروں نے جو مذہبًا عیسائی تھے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ "آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں"۔ ان دونوں سرداروں کے ساتھ اُن کے قبیلے کے ہزاروں آدمی تھے اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لبریز تھے۔

اتفاق سے انہی دنوں جریر بجلی دربارِ خلافت میں حاضر ہوا۔ یہ ایک مشہور سردار تھا اور جنابِ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی کہ اپنے قبیلے کا سردار مقرر کردیا جائے رسول اللہ صلعم نے یہ درخواست منظور کر لی تھی لیکن تعمیل کی نوبت نہیں آئی تھی، حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا تو انھوں نے عرب کے تمام عمّال کے نام احکام بھیج دیئے کہ جہاں جہاں اس کے قبیلے کے آدمی ہوں تاریخ معین پر اس کے پاس پہنچ جائیں۔ جریر یہ جمعیتِ اعظم لے کر دوبارہ مدینہ میں حاضر ہوئے۔

اُدھر مثنیٰ نے عراق کے تمام سرحدی مقامات میں نقیب بھیجکر ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی ایرانی جاسوسوں نے یہ خبریں شاہی دربار میں پہنچائیں۔ **پوران دخت** نے حکم دیا کہ فوجِ خاصہ سے بارہ ہزار انتخاب کیئے جائیں اور مہران بن مہرویہ ہمدانی افسر مقرر کیا جائے۔ مہران کے انتخاب کی یہ وجہ تھی کہ اُس نے خود عرب میں تربیت پائی تھی اور اس وجہ سے وہ عرب کے زور و قوت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ **کوفہ** کے قریب بویب نام ایک مقام تھا، اسلامی فوجوں نے یہاں پہنچکر ڈیرے ڈالے۔ مہران، پایۂ تخت سے روانہ ہو کر سیدھا بویب پہنچا اور دریائے فرات کو بیچ میں ڈال کر خیمہ زن ہوا۔ صبح ہوتے فرات اُتر کر بڑے سر و سامان سے لشکر آرائی شروع کی۔ **مثنیٰ** نے بھی نہایت ترتیب سے صف درست کی۔ فوج کے مختلف حصے کر کے بڑے بڑے ناموروں کی ماتحتی میں دیئے چنانچہ میمنہ پر مذعور، میسرہ پر نسیر، پیدل پر مسعود، ولشکر پر عاصم۔ گشت کی فوج پر عصمہ کو مقرر کیا۔ لشکر آراستہ ہو چکا تو **مثنیٰ** نے اس سرے سے اُس سرے تک ایکبار چکر لگایا اور ایک ایک علم کے پاس کھڑے ہو کر کہا۔ بہادرو! دیکھنا! تمھاری وجہ سے تمام عرب پر بدنامی کا داغ نہ آنے پائے"

اسلامی فوج کی لڑائی کا یہ قاعدہ تھا کہ سردار تین دفعہ اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی تکبیر پر فوج حربہ ہتھیار سے آراستہ ہو جاتی تھی۔ دوسری تکبیر پر لوگ ہتھیار تول لیتے تھے اور تیسرے نعرہ پر حملہ کر دیا جاتا تھا۔ مثنیٰ نے دوسری تکبیر ابھی نہیں کہی تھی کہ ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان ضبط نہ کر سکے

اور کچھ لوگ جوش میں آکر صف سے آگے نکل گئے۔ مثنیٰ نے غصے میں آکر ڈاڑھی دانتوں میں دبالی اور پکارے کہ خدا کے لیے اسلام کو رسوا نہ کرو"۔ اس آواز کے ساتھ فوراً لوگ پیچھے ہٹے اور جس شخص کی جہاں جگہ تھی وہیں آکر جم گیا۔ چوتھی تکبیر کہکر مثنیٰ نے حملہ کیا۔

عجمی اس طرح گرجتے ہوئے بڑھے کہ تمام میدان گونج اٹھا۔ مثنیٰ نے فوج کو للکارا کہ گھبرانا نہیں یہ نامردانہ غل ہے۔ عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے بلا کر کہا کہ تم اگرچہ عیسائی ہو لیکن ہم قوم ہو اور آج قوم کا معاملہ ہے۔ میں مہران پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا۔ انھوں نے لبیک کہا۔ مثنیٰ نے ان سرداروں کو دونوں بازوؤں پر سے کر دھاوا کیا اور پہلے ہی حملہ میں مہران کا میمنہ توڑ کر قلب میں گھس گئے۔ عجمی دوبارہ سنبھلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ مثنیٰ نے للکارا کہ مسلمانو! کہاں جاتے ہو؟ میں یہ کھڑا ہوں"۔ اس آواز کے ساتھ سب پلٹ پڑے۔ مثنیٰ نے ان کو سمیٹ کر پھر حملہ کیا۔ عین اس حالت میں مسعود جو مثنیٰ کے بھائی اور مشہور بہادر تھے زخم کھا کر گرے ان کی رکاب کی فوج بیدل ہوا چاہتی تھی۔ مثنیٰ نے للکارا کہ مسلمانو! میرا بھائی مارا گیا تو کچھ پروا نہیں شرفاء یوں ہی جان دیا کرتے ہیں۔ دیکھو تمھارے علم جھکنے نہ پائیں۔ خود مسعود نے گرتے گرتے کہا کہ میرے مرنے سے بیدل نہ ہونا"

دیر تک بڑی گھمسان کی لڑائی رہی۔ انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا زخم کھا کر گرا۔ مثنیٰ نے خود گھوڑے سے اتر کر اسکو گود میں لیا اور اپنے بھائی مسعود کے برابر لٹا دیا۔ مسلمانوں کی طرف بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ لیکن مثنیٰ کی ثابت قدمی کی وجہ سے لڑائی کا پلہ اسی طرف بھاری رہا۔ عجم کا قلب خوب جم کر لڑا۔ مگر کل کا کل برباد ہو گیا۔ شہر براز جو ایک مشہور افسر تھا۔ قرط کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تاہم سپہ سالار مہران ثابت قدم تھا اور بڑی بہادری سے تیغ بکف

---

۵ الاخبار الطوال لابی حنیفۃ الدینوری ۱۲

لڑ رہا تھا کہ قبیلۂ تغلب کے ایک نوجوان نے تلوار سے اُسکا کام تمام کر دیا۔ مہران گھوڑے سے گرا تو نوجوان اُچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخر کے لہجہ میں پکارا "میں ہوں تغلب کا نوجوان اور رئیس عجم کا قاتل[1]"۔

مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ عجم نہایت ابتری سے بھاگے۔ مثنیٰ نے فوراً پل کے پاس پہنچکر رستہ روک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اس قدر بیشمار لاشیں اپنی یادگار میں نہیں چھوڑیں۔ چنانچہ مدتوں کے بعد جب مسافروں کا اُدھر گذر ہوا تو اُنھوں نے جا بجا ہڈیوں کے انبار پائے۔ اس فتح کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ عربوں پر عجم کا جو رعب چھایا ہوا تھا جاتا رہا۔ اُن کو یقین ہو گیا کہ اب سلطنتِ کسریٰ کے اخیر دن آ گئے۔ خود مثنیٰ کا بیان ہے کہ اسلام سے پہلے میں بارہا عجم سے لڑ چکا ہوں۔ اُسوقت سو عجمی ہزار عرب پر بھاری تھے۔ لیکن آج ایک عرب دس عجمی پر بھاری ہے۔

اس معرکہ کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقہ میں پھیل پڑے۔

جہاں اب بغداد آباد ہے اُس زمانے میں وہاں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچا کر اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ اور بے شمار نقد اور اسباب ہاتھ آیا۔ پایۂ تخت میں یہ خبریں پہنچیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ زنانہ حکومت' اور آپس کے اختلاف کا یہی نتیجہ تھا'۔ اُسی وقت پوران دخت کو تخت سے اُتار کر یزدگرد کو جو سولہ برس کا جوان تھا[2] اور خاندان کسریٰ کا وہی ایک نرینہ یادگار رہ گیا تھا تخت نشین کیا۔ رستم اور فیروز جو سلطنت کے دست و بازو تھے (اور آپس میں عناد رکھتے تھے درباریوں نے اُن سے کہا کہ اب بھی اگر تم دونوں متفق ہو کر کام نہیں کرتے تو ہم خود تمہارا فیصلہ کئے دیتے ہیں غرض یزدگرد کی تخت نشینی کے ساتھ سلطنت میں نئے

---

[1] طبری بروایت سیف [2] یہ ابوحنیفہ دینوری کی روایت ہے۔ طبری نے ۲۱ برس کی عمر بیان کی ہے۔

سر سے جان آگئی۔ مُلکی اور فوجی افسر جہاں جہاں جس کام پر تھے شستعد ہو گئے۔ تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیاں مستحکم کر دی گئیں، عراق کی آبادیاں جو فتح ہو چکی تھیں۔ عجم کا سہارا پاکر وہاں بھی بغاوت پھیل گئی اور تمام مفتوحہ مقامات مُسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

حضرت عمرؓ کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً مثنیٰ کو حکم بھیجا کہ فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آؤ اور ربیعہ و مضر کے قبائل جو عراق کی حدود میں پھیلے ہوئے ہیں اُن کو طلبی کا حکم بھیجدو کہ تاریخ معین پر جمع ہو جائیں۔"

اس کے ساتھ خود بڑے سروسامان سے فوجی تیاریاں شروع کیں، ہر طرف نقیب دوڑائے کہ اضلاعِ عرب میں جہاں جہاں کوئی۔ بہادر۔ رئیس۔ صاحبِ تدبیر۔ شاعر۔ خطیب۔ اہل الرائے ہو۔ فوراً دربارِ خلافت میں آئے۔ چونکہ حج کا زمانہ آچکا تھا خود مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور حج سے فارغ نہیں ہوئے کہ ہر طرف سے قبائلِ عرب کا طوفان اُمنڈ آیا۔ سعد بن وقاص نے تین ہزار آدمی بھیجے جن میں سے ایک ایک شخص تیغ و علم کا مالک تھا۔ حضر موت۔ صدف۔ مذحج، قیس۔ عیلان کے بڑے بڑے سردار ہزاروں کی جمعیت لیکر آئے۔ مشہور قبائل میں سے یمن کے ہزار۔ بنو تمیم و رباب کے چار ہزار، بنو اسد کے تین ہزار آدمی تھے۔

حضرت عمرؓ حج کر کے واپس آئے تو جہاں تک نگاہ جاتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ حکم دیا کہ لشکر نہایت ترتیب سے آراستہ ہو۔ میں خود سپہ سالار بنکر چلوں گا۔ چنانچہ ہراول پر طلحہ۔ میمنہ پر زبیر۔ میسرہ پر عبد الرحمٰن بن عوف کو مقرر کیا۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت علیؓ کو بلا کر خلافت کے کاروبار سپرد کیے اور خود مدینہ سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے

حضرت عمرؓ کی اس مستعدی سے ایک عام جوش پیدا ہو گیا اور سب نے مرنے پر کمریں باندھ لیں صرار جو مدینہ سے تین میل پر ایک چشمہ ہے وہاں پہنچکر مقام کیا اور یہ اس سفر کی گویا پہلی

منزل تھی۔ چونکہ امیر المؤمنین کا خود معرکۂ جنگ میں جانا بعض مصلحتوں کے لحاظ سے مناسب تھا۔ اس لیے صرار میں فوج کو جمع کر کے تمام لوگوں سے رائے طلب کی۔ عوام نے یک زبان ہو کر کہا کہ امیر المؤمنین! یہ مہم آپ کے بغیر سر نہ ہوگی۔ لیکن بڑے بڑے صحابہ نے جو معاملہ کا نشیب و فراز سمجھتے تھے اس کے خلاف رائے دی۔ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں اگر خدانخواستہ شکست ہوئی اور آپ کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے۔ حضرت عمر نے کھڑے ہو کر ایک پُر اثر تقریر کی اور عوام کی طرف خطاب کر کے کہا کہ "میں تمہاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اکابر صحابہ اس رائے سے متفق نہیں۔ غرض اس پر اتفاق ہو گیا کہ حضرت عمر خود سپہ سالار بن کر نہ جائیں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اور کوئی شخص اس بارگراں کے اٹھانے کے قابل نہیں ملتا تھا۔ ابو عبیدہ و خالد۔ شام۔ کی مہمات میں مصروف تھے۔ حضرت علی علیہ السلام سے درخواست کی گئی مگر انھوں نے انکار کیا۔ لوگ اسی حیص و بیص میں تھے کہ دفعتہً عبدالرحمن بن عوف نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پالیا۔ حضرت عمر نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعد بن ابی وقاص۔

سعد بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہ کے ماموں تھے اُن کی بہادری اور شجاعت بھی مسلّم تھی۔ لیکن تدبیر جنگ اور سپہ سالاری کی قابلیتوں کی طرف سے اطمینان نہ تھا اس بنا پر حضرت عمر کو پھر بھی تردّد تھا لیکن جب تمام حاضرین نے عبدالرحمن بن عوف کی رائے کی تائید کی تو چار و ناچار منظور کیا۔ تاہم احتیاط کے لحاظ سے، لشکر کی تمام مہمات خاصّۃً اختیار میں رکھیں۔ چنانچہ ان معرکوں میں اوّل سے آخر تک فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب، فوجوں کی تقسیم۔ وغیرہ کے متعلق ہمیشہ وقتاً فوقتاً احکام بھیجتے رہتے تھے۔ اور ایک کام بھی اُن کی خاص ہدایت کے بغیر انجام نہیں پاسکتا تھا۔ یہاں تک کہ مدینہ سے عراق تک فوج کی منزلیں بھی خود حضرت عمر ہی نے نامزد کر دی تھیں چنانچہ مؤرخ طبری نے نام بنام اُن کی تصریح کر دی ہے۔

غرض سعد نے لشکر کا نشان چڑھایا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ۱۷-۱۸ منزلیں طے کر کے ثعلبہ پہنچے[1]۔ اور یہاں مقام کیا۔ ثعلبہ کوفہ سے تین منزل پر ہے اور پانی کی افراط اور موقع کی خوبی کی وجہ سے یہاں مہینے کے مہینے بازار لگتا تھا۔ تین مہینے یہاں قیام رہا۔ مثنیٰ موضع ذی قار میں آٹھ ہزار آدمی لئے پڑے تھے جن میں خاص بکر بن وائل کے چھ ہزار جوان تھے۔ مثنیٰ کو سعد کی آمد کا انتظار تھا کہ ساتھ ہو کر کوفہ پر بڑھیں۔ لیکن جسر کے معرکہ میں جو زخم کھائے تھے بگڑتے گئے اور آخر اسی کے صدمے سے انتقال کیا۔ سعد نے ثعلبہ سے چل کر شراف میں ڈیرے ڈالے۔ یہاں مثنیٰ کے بھائی معنیٰ ان سے آکر ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے سعد سے بیان کیے۔ چونکہ حضرت عمر کا حکم تھا کہ جہاں فوج کا پڑاؤ ہو وہاں کے تمام حالات لکھ کر آئیں۔ سعد نے اس مقام کا نقشہ۔ لشکر کا پھیلاؤ۔ فرودگاہ کا ڈھنگ۔ رسد کی کیفیت۔ ان تمام حالات سے ان کو اطلاع دی وہاں سے ایک مفصل فرمان آیا جس میں بہت سی ہدایتیں۔ اور فوج کی ترتیب کے قواعد تھے۔ سعد نے ان احکام کے موافق پہلے تمام فوج کا جائزہ لیا جو کم و بیش تیس ہزار ٹھہری۔ پھر میمنہ و میسرہ وغیرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کیے۔ فوج کے جدا جدا حصوں اور ان کے افسروں کی تفصیل۔ طبری کے بیان کے موافق ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگی۔

حصہ	نام افسر	مختصر حال
ہراول	زہرہ بن عبداللہ بن قتادہ	جاہلیت میں یہ بحرین کے بادشاہ تھے رسول اللہ کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے وکیل ہو کر آئے تھے اور اسلام لائے تھے۔
میمنہ (دایاں حصہ)	عبداللہ بن المعتصم	صحابی تھے۔
میسرہ (بایاں حصہ)	شرحبیل بن السمط	نوجوان آدمی تھے۔ مرتدین کی جنگ میں نہایت

[1] بلاذری نے ثعلبہ اور طبری نے زرود لکھا ہے یہ دونوں مقام آپس میں نہایت متصل اور بالکل قریب ہیں۔

حصہ	نام افسر	مختصر حال
		شہرت حاصل کی تھی۔
ساقہ (پچھلا حصہ)	عاصم بن عمرو التمیمی	
طلایع (گشت کی فوج)	سواد بن مالک	
مجرد (بیقاعدہ فوج)	سلمان بن ربیعۃ الباہلی	
پیدل	حمال بن مالک الاسدی	
شتر سوار	عبداللہ بن ذی السہمین	
قاضی و خزانچی	عبدالرحمن بن ربیعۃ الباہلی	
رائد یعنی رسد وغیرہ کا بندوبست کرنیوالے	سلمان فارسی	مشہور صحابی ہیں فارس کے رہنے والے تھے۔
مترجم	ہلال ہجری	
منشی	زیاد بن ابی سفیان	
طبیب[1]		

اُمرائے اعشار میں سے ستر وہ صحابہ تھے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ تین سو وہ جو بیعۃ الرضوان میں حاضر تھے۔ اسی قدر وہ بزرگ جو فتح مکہ میں شریک تھے۔ سات سو ایسے جو صحابی نہ تھے لیکن صحابہ کی اولاد تھے۔

سعد شراف ہی میں تھے کہ دربار خلافت سے ایک اور فرمان آیا جسکا مضمون یہ تھا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ[2] میں مقام کرو اور اس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر

لہ افسوس ہی کہ طبری نے طبیبوں کے نام نہیں لکھے صرف اسیقدر لکھا ہی کہ حضرت عمر نے فوج کے ساتھ طبیب بھیجے۔

ٹہ یہ کوفہ سے ۴۵ میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا ۱۲

عرب کے پہاڑ ہوں تاکہ فتح ہو تو جہاں تک چاہو بڑھتے چلے جاؤ اور خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو ہٹ کر پہاڑوں کی پناہ میں آسکو۔"

قادسیہ نہایت شاداب اور نہروں اور پلوں کی وجہ سے محفوظ مقام تھا حضرت عمر جاہلیت میں ان مقامات سے اکثر گزرے تھے۔ اور اس موقع کی ہیئت اور کیفیت سے واقف تھے چنانچہ سعد کو جو فرمان بھیجا اس میں قادسیہ کا موقع اور محل بھی مذکور تھا۔ تاہم چونکہ پرانا تجربہ تھا سعد کو لکھا کہ "قادسیہ پہنچ کر سرزمین کا پورا نقشہ لکھ کر بھیجو۔ کیونکہ میں نے بعض ضروری باتیں اسی وجہ سے نہیں لکھیں کہ موقع اور مقام کے پورے حالات مجھکو معلوم نہ تھے۔" سعد نے نہایت تفصیل سے موقع جنگ کی حدود اور حالات لکھ بھیجے۔ دربار خلافت سے روانگی کی اجازت آئی۔ چنانچہ سعد شراف سے چل کر عذیب پہنچے، یہاں عجمیوں کا میگزین رہا کرتا تھا اور وہ مفت ہاتھ آیا۔ قادسیہ پہنچ کر سعد نے ہر طرف ہرکارے دوڑائے کہ غنیم کی خبر لائیں۔ انھوں نے آکر بیان کیا کہ رستم بن فرخ زاد جو آرمینیہ کا رئیس ہے سپہ سالار مقرر ہوا ہے اور مدائن سے چل کر ساباط میں ٹھہرا ہے۔ سعد نے حضرت عمر کو اطلاع دی۔ وہاں سے جواب آیا کہ لڑائی سے پہلے کچھ لوگ سفیر بن کر جائیں اور اُن کو اسلام کی رغبت دلائیں۔ سعد نے سرداران قبائل میں سے چودہ نامور شخص انتخاب کیے جو مختلف صفتوں کی لحاظ سے تمام عرب میں انتخاب تھے۔ عطارد بن حاجب۔ اشعث بن قیس۔ حارث بن حسان۔ عاصم بن عمر۔ عمرو معدی کرب۔ مغیرہ بن شعبہ۔ معنی بن حارثہ۔ قدوقامت۔ اور ظاہری رعب داب کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھے۔ نعمان بن مقرن۔ بسر بن ابی رہم۔ حملہ بن جویہ حنظلہ بن الربیع التمیمی۔ فرات بن حیان العجلی۔ عدی بن سہیل۔ مغیرہ بن زرارہ، عقل و تدبیر۔ اور حزم وسیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

ساسانیوں کا پایہ تخت، قدیم زمانے میں **اصطخر** تھا۔ لیکن نوشیرواں نے مدائن کو دارالسلطنت

قرار دیا تھا اور اُس وقت سے وہی پایہ تخت چلا آتا تھا۔ یہ مقام سعد کی فرودگاہ یعنی قادسیہ سے ۳۰،۴۰ میل کے فاصلے پر تھا۔ سفرا گھوڑے اڑاتے ہوئے سیدھے مدائن پہنچے۔ راہ میں جدھر سے گزر ہوتا تھا تماشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ یہاں تک کہ آستانہ سلطنت کے قریب پہنچکر ٹھہرے۔ اگرچہ ان کی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑوں پر زین اور ہاتھوں میں ہتھیار تک نہ تھا تاہم بیباکی اور دلیری ان کے چہروں سے ٹپکتی تھی اور تماشائیوں پر اسکا اثر پڑتا تھا، گھوڑے جو سواری میں تھے رانوں سے نکلے جاتے تھے اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے۔ چنانچہ ٹاپوں کی آواز یزدگرد کے کان تک پہنچی اور اُس نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ معلوم ہوا کہ اسلام کے سفرا آئے ہیں۔ یہ سُن کر بڑے سرو سامان سے دربار سجایا اور سفرا کو طلب کیا۔ یہ لوگ عربی جُبّے پہنے، کاندھوں پر یمنی چادریں ڈالے ہاتھوں میں کوڑے لیئے، موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے۔ پچھلے معرکوں نے تمام ایران میں عرب کی دھاک بٹھا دی تھی، یزدگرد نے سفیروں کو اس شان سے دیکھا تو اُس پر ایک ہیبت طاری ہوئی۔

ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے۔ یزدگرد نے پوچھا کہ عربی میں چادر کو کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا بُرد۔ اُس نے (فارسی معنے کے لحاظ سے) کہا کہ "جہاں برد" پھر کوڑے کی عربی پوچھی ان لوگوں نے کہا "سوط" وہ سوخت سمجھا اور بولا کہ "پارس را سوختند۔ ان بدفالیوں پر سارا دربار برہم ہوا جاتا تھا۔ لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر سوال کیا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ نعمان بن مقرن جو سرگروہ تھے جواب دینے کے لیئے آگے بڑھے۔ پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کیئے پھر کہا کہ ہم تمام دُنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں جزیہ یا تلوار یزدگرد نے کہا تم کو یاد نہیں کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت کوئی قوم نہ تھی۔ تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیجدیا جاتا تھا اور وہ تمہارا بل نکال دیتے تھے۔

اسپر سب نے سکوت کیا۔ لیکن مغیرہ بن زرارہ ضبط نہ کر سکے اور اُٹھ کر کہا کہ "یہ لوگ (اپنے رفیقوں کی طرف اشارہ کر کے) رؤسائے عرب ہیں اور حلم و وقار کی وجہ سے زیادہ گوئی نہیں کر سکتے"۔ انھوں نے جو کچھ کہا یہی زیبا تھا۔ لیکن کہنے کے قابل باتیں رہ گئیں۔ اُن کو میں بیان کرتا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ ہم بدبخت اور گمراہ تھے۔ آپس میں کٹتے مرتے تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ہمپر ایک پیغمبر بھیجا جو حسب و نسب میں ہم سب سے ممتاز تھا۔ اوّل اوّل ہم نے اُسکی مخالفت کی وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھٹلاتے تھے۔ وہ آگے بڑھتا تھا تو ہم پیچھے ہٹتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اُسکی بات نے دلوں میں اثر کیا۔ وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے حکم سے کہتا تھا۔ اور جو کرتا تھا خدا کے حکم سے کرتا تھا۔ اُس نے ہم کو حکم دیا کہ اِس مذہب کو تمام دُنیا کے سامنے پیش کرو۔ جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں تمھارے برابر ہیں۔ جنکو اسلام سے انکار ہو اور جزیہ پر راضی ہوں وہ اسلام کی حمایت میں ہیں جنکو دونوں باتوں سے انکار ہو اُسکے لیئے تلوار ہے"۔ یزدگرد غصّے سے بیتاب ہو گیا اور کہا کہ اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا۔ یہ کہکر مٹّی کا ٹوکرا منگوایا اور کہا کہ تم میں سب سے معزّز کون ہے؟ عاصم بن عمر نے بڑھ کر کہا "میں" ملازموں نے ٹوکرا اُن کے سر پر رکھدیا۔ وہ گھوڑا اُڑاتے ہوئے سعد کے پاس پہنچے کہ فتح مبارک! دشمن نے اپنی زمین خود ہمکو دیدی"۔

اِس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا۔ رستم جو سلطنتِ فارس کی طرف سے اِس مہم پر مامور تھا ساباط میں لشکر لیئے پڑا تھا اور یزدگرد کی تاکید پر بھی لڑائی کو ٹالتا جاتا تھا۔ اِدھر مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے لیئے مویشی وغیرہ لوٹ لاتے تھے۔ اِس عرصے میں بعض بعض رئیس اُدھر سے اِدھر آگئے۔ اِن میں جوشن ماہ بھی تھا جو سرحد کی اخبار نویسی پر مامور تھا۔ اِس حالت نے طُول کھینچا تو رعایا جوق جوق یزدگرد کے پاس پہنچکر فریادی ہوئی کہ اب ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہلِ عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہیں۔ چار ناچار

رستم کو مقابلہ کے لیے بڑھنا پڑا ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ساباط سے نکلا اور قادسیہ پہنچکر ڈیرے ڈالے لیکن فوج جن جن مقامات سے گذری ہر جگہ نہایت بے اعتدالیاں کیں۔ تمام افسر شراب پیکر بدمستیاں کرتے تھے اور لوگوں کے ناموس تک کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ اِن باتوں نے عام ملک میں یہ خیال پھیلا دیا کہ سلطنتِ عجم اب فنا ہوتی نظر آتی ہے۔

رستم کی فوجیں جسدن ساباط سے بڑھیں سعد نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیئے کہ دم دم کی خبریں پہنچتی رہیں۔ فوج کا رنگ ڈھنگ۔ لشکر کی ترتیب۔ اُتارے کا رُخ۔ اِن باتوں کے دریافت کے لیئے فوجی افسر متعین کیے۔ اِسمیں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ طلیحہ۔ رات کیوقت رستم کے لشکر میں لباس بدل کر گئے۔ ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا تھان پر بندھا دیکھا۔ تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکالی۔ اِس عرصے میں لوگ جاگ اُٹھے اور اِن کا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا سوار ایک مشہور افسر تھا اور ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا، اِس نے قریب پہنچکر برچھی کا وار کیا۔ اِنھوں نے خالی دیا۔ وہ زمین پر گرا انھوں نے جُھک کر برچھی ماری کہ سینے کے پار ہو گئی۔ اُس کے ساتھ دو اور سوار تھے۔ اُن میں سے ایک اِن کے ہاتھ سے مارا گیا اور دوسرے نے اِس شرط پر امان طلب کی کہ میں قیدی بن کر ساتھ چلتا ہوں۔ اتنے عرصہ میں تمام فوج میں ہل چل پڑ گئی۔ اور لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ لیکن طلیحہ لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے اور ساٹھ ہزار فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ قیدی نے سعد کے سامنے آکر اسلام قبول کیا اور کہا کہ دونوں سوار جو طلیحہ کے ہاتھ سے مارے گئے میرے ابن عم تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے۔ اسلام کے بعد قیدی کا نام مسلم رکھا گیا اور اُسکی وجہ سے دشمن کی فوج کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اور کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ بعد کے تمام معرکوں میں شریک رہا اور ہر موقع پر ثابت قدمی اور جانبازی کے جوہر دکھائے۔

رستم چونکہ لڑنے سے جی چراتا تھا ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی۔ سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ تمھارا کوئی معتمد آدمی آئے تو صلح کے متعلق گفتگو کی جائے۔ سعد نے ربعی بن عامر کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ عجیب وغریب ہیئت سے چلے۔ عرق گیر کی زرہ بنائی اور راہی کا ایک ٹکڑا سر سے لپیٹ لیا۔ کمر میں رسی کا پٹکا باندھا اور تلوار کے میان پر چیتھڑے لپیٹ لیے۔ اس ہیئت کذائی سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ ادھر ایرانیوں نے بڑے سروسامان سے دربار سجایا۔ دیبا کا فرش۔ زریں گاؤ تکیے۔ حریر کے پردے۔ صدر میں مرصع تخت۔ ربعی فرش کے قریب آ کر گھوڑے سے اُترے اور باگ ڈور کو گاؤ تکیے سے اٹکا دیا۔

درباری بے پروائی کی ادا سے اگرچہ کچھ نہ بولے تاہم دستور کے موافق ہتیار رکھوا لینا چاہا۔ انھوں نے کہا میں بلایا ہوا آیا ہوں۔ تم کو اس طرح میرا آنا منظور نہیں تو میں اُلٹا پھر جاتا ہوں۔ درباریوں نے رستم سے عرض کی۔ اُس نے اجازت دی۔ یہ نہایت بے پروائی کی ادا سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے لیکن برچھی جس سے عصا کا کام لیا تھا اُسکی اَنی کو اس طرح فرش میں چبھوتے جاتے تھے کہ پُر تکلف فرش اور قالین جو بچھے ہوئے تھے جا بجا سے کٹ پھٹ کر بیکار ہو گئے تخت کے قریب پہنچکر زمین پر نیزہ مارا جو فرش کو آر پار کر کے زمین میں گڑ گیا۔ رستم نے پوچھا کہ اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ انھوں نے کہا "اس لیے کہ مخلوق کے بجائے خالق کی عبادت کی جائے" رستم نے کہا کہ میں ارکانِ سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ درباری بار بار ربعی کے پاس آ کر اُن کے ہتیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اسی سامان پر ایران کی فتح کا ارادہ ہے؟ لیکن جب ربعی نے تلوار میان سے نکالی تو آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی۔ اور جب اُن کے کاٹ کی آزمایش کے لیے ڈھالیں پیش کی گئیں تو ربعی نے اُن کے ٹکڑے اُڑا دیے۔ ربعی اُس وقت چلے آئے۔ لیکن نامہ وپیام کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

اخیر سفارت میں **مغیرہ** گئے۔ اُس دن ایرانیوں نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار جمایا۔ جس قدر ندیم اور افسر تھے تاج زر پہنکر کرسیوں پر بیٹھے۔ خیمے میں دیبا و سنجاب کا فرش بچھایا گیا اور خدام اور منصبدار قرینے سے دو رویہ پرے جماکر کھڑے ہوئے۔ مغیرہ گھوڑے سے اُتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے۔ اور رستم کے زانو سے زانو ملاکر بیٹھ گئے۔ اس گستاخی پر تمام دربار برہم ہوگیا یہاں تک کہ چوبداروں نے بازو پکڑکر ان کو تخت سے اُتار دیا۔ مغیرہ نے افسران دربار کی طرف خطاب کرکے کہا کہ میں خود نہیں آیا۔ بلکہ تم نے بلایا تھا۔ اس لیئے مہمان کے ساتھ یہ سلوک زیبا نہ تھا۔ تمہاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بنکر بیٹھے اور تمام لوگ اُس کے آگے بندہ ہوکر گردن جھکائیں"۔ مترجم نے جسکا نام عبود تھا اور حیرت کا باشندہ تھا اس تقریر کا ترجمہ کیا تو سارا دربار متاثر ہوا۔ اور بعض بعض بول اُٹھے کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے۔

رستم بھی شرمندہ ہوا اور ندامت مٹانے کو کہا کہ یہ نوکروں کی غلطی تھی۔ میرا ایما یا حکم نہ تھا پھر بے تکلفی کی طور پر **مغیرہ** کے ترکش سے تیر نکالے اور ہاتھ میں لیکر کہا کہ ان تکلوں سے کیا ہوگا؟ مغیرہ نے کہا کہ "آگ کی لَو گو چھوٹی ہو پھر بھی آگ ہے"۔ رستم نے اُن کی تلوار کا نیام دیکھ کر کہا کہ کس قدر بوسیدہ ہے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ لیکن تلوار پر باڑھ ابھی رکھی گئی ہے۔ اس نوک جھوک کے بعد معاملہ کی بات شروع ہوئی۔ رستم نے سلطنت کی شان و شوکت کا ذکر کرکے اظہار احسان کے طور پر کہا کہ اب بھی واپس چلے جاؤ تو ہم کو کچھ ملال نہیں بلکہ کچھ انعام دلایا جائیگا۔ مغیرہ نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ "اگر اسلام و جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہوگا"۔ رستم غصہ سے بھڑک اُٹھا اور کہا کہ آفتاب کی قسم کل تمام عرب کو برباد کر دوں گا۔ مغیرہ اُٹھکر چلے آئے اور صلح و آشتی کی تمام اُمیدوں کا خاتمہ ہوگیا۔

قادسیہ[1] کی جنگ اور فتح

محرم سنہ ۱۴ ہجری ۶۳۵ء

رستم اب تک لڑائی کو برابر ٹالتا جاتا تھا۔ لیکن مغیرہ کی گفتگو نے اُسکو اسقدر غیرت دلائی کہ اسی وقت کمر بندی کا حکم دیا۔ نہر جو بیچ میں حائل تھی حکم دیا کہ صبح ہوتے ہوتے پاٹ کر سڑک بنا دی جائے۔ صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا۔ اور دوپہر سے پہلے پہلے فوج نہر کے اس پار آگئی خود سامانِ جنگ سے آراستہ ہوا۔ دُہری زرہیں پہنیں۔ سر پر خود رکھا۔ ہتھیار لگائے۔ پھر اسپ خاصہ طلب کیا اور سوار ہو کر جوش میں کہا کہ "کل عرب کو چکنا چور کر دوں گا" کسی سپاہی نے کہا۔ ہاں اگر خدا نے چاہا۔ بولا کہ "خدا نے نہ چاہا تب بھی"۔

فوج نہایت ترتیب سے آراستہ کی۔ آگے پیچھے تیرہ صفیں قائم کیں۔ قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا۔ ہودجوں اور عماریوں میں ہتھیار بند سپاہی بٹھائے۔ میمنہ و میسرہ کے پیچھے قلعہ کے طور پر ہاتھیوں کے پرے جمائے۔ خبر رسانی کے لیے موقع جنگ سے پایہ تخت تک کچھ کچھ فاصلے پر آدمی بٹھا دیئے۔ جو واقعہ پیش آتا تھا موقعِ جنگ کا آدمی چلا کر کہتا تھا اور درجہ بدرجہ مدائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادسیہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سعد کو چونکہ عرق النسا کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ اس لیئے فوج کے ساتھ شریک نہ ہو سکے۔ بالاخانے پر میدان کی طرف رُخ کر کے تکیہ کے سہارے سے بیٹھے اور خالد بن عرطفہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا۔ تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے۔ یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب

[1] قادسیہ عراق عرب کا مشہور شہر تھا اور مدائن سعد کے وسط میں تھا اب ویران پڑا ہوا ہے ہمارے نقشہ میں اسکو شہر مدائن کے متصل سمجھنا چاہیئے ۱۲

ہوتا تھا پرچوں پر لکھکر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد اُن ہی ہدایتوں کے موافق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدّن کے ابتدائی زمانے میں فنِ جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزی طبع اور لیاقتِ جنگ کی دلیل ہے۔

فوجیں آراستہ ہوچکیں تو عرب کے مشہور شعرا اور خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ شعرا میں۔ شماخ۔ حطیئہ اوس بن مغرا۔ عبدۃ بن الطیب عمرو معدی کرب اور خطیبوں میں قیس بن ہبیرہ۔ غالب۔ ابن الہذیل الاسدی۔ بسر بن ابی رہم الجہنی۔ عاصم بن عمرو۔ ربیع سعدی۔ ربعی بن عامر۔ میدان میں کھڑے تقریریں کر رہے تھے۔ اور فوج کا یہ حال تھا کہ اُن پر کوئی جادو کر رہا ہے۔ اِن تقریروں کے بعض جملے یاد رکھنے کے قابل ہیں ابن الہذیل اسدی کے الفاظ یہ تھے۔

یا معاشر سعد اجعلوا حصونکم السیف و	خاندان سعد! تلواروں کو قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے مقابلہ میں شیر بنکر غار
کونوا علیھم کاسود الاجم وادرعوا العجاج	پر گرد کی زرہ پہن لو اور نگاہیں نیچی کر لو جب تلواریں تھک جائیں تو تیروں
وغضوا الابصار فاذا کلت السیوف فارسلوا	کی باگ چھوڑ دو کیونکہ تیروں کو جہاں بار مل جاتا ہے تلواروں کو
الجنادل فانھا یوذن لھا فیما لا یوذن للحدید	نہیں ملتا۔

اِس کے ساتھ قاریوں نے میدان میں نکل نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش سے سورۂ جہاد کی آیتیں پڑھنی شروع کیں جسکی تاثیر سے دل ہل گئے اور آنکھیں سُرخ ہوگئیں۔

سعد نے قاعدے کے موافق تین نعرے مارے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہوگئی۔ سب سے پہلے ایک ایرانی قدر انداز دیبا کی قبا زیب بدن کیے۔ زریں کمر بند لگائے۔ ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے' میدان میں آیا' اِدھر سے عمرو معدی کرب اُس کے مقابلے کو نکلے۔ اُس نے تیر کمان میں جوڑا اور ایسا تاک کر مارا کہ یہ بال بال بچ گئے۔ اِنھوں نے گھوڑے کو دابا اور قریب پہنچکر کمر بند

میں ہاتھ ڈال مُعلق اُٹھا زمین پہ دے ٹپکا۔ اور تلوار سے گردن اُڑا کر فوج کی طرف مخاطب ہوئے کہ یُوں لڑا کرتے ہیں" لوگوں نے کہا ہر شخص معدی کرب کیونکر ہو سکتا ہے"

اسکے بعد اور اور بہادر دونوں طرف سے نکلے اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ ایرانیوں نے بجیلہ کے رسالے پر جو سب میں ممتاز تھا ہاتھیوں کو ریلا۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ کالے پہاڑ کہاں دیکھے تھے۔ دفعتہً بِدکے اور منتشر ہوگئے۔ پیدل فوج ثابت قدمی سے لڑی لیکن ہاتھیوں کے ریلے میں اُن کے پاؤں بھی اکھڑے جاتے تھے۔ سعد نے یہ ڈھنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو سنبھالو۔ طلیحہ نے جو قبیلہ کے سردار اور مشہور بہادر تھے، ساتھیوں سے کہا "عزیزو! سعد نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے" تمام قبیلے نے جوش میں آکر باگیں اُٹھائیں اور ہاتھوں میں برچھیاں لیکر ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ اُن کی پامردی سے اگرچہ یہ کالی آندھی ذرا تھم گئی لیکن ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر سارا زور اس طرف دیا۔ سعد نے قبیلہ تمیم کو جو قدر انداز اور نیزہ بازی میں مشہور تھے کہلا بھیجا کہ کیا تم سے ہاتھیوں کی کچھ تدبیر نہیں ہوسکتی؟ یہ سُن کر وہ دفعتہً بڑھے اور اسقدر تیر برسائے کہ فیل نشینوں کو گرا دیا۔ پھر قریب پہنچکر تمام ہودے اور عماریاں اُلٹ دیں۔ شام تک یہ ہنگامہ رہا۔ جب بالکل تاریکی چھاگئی تو دونوں حریف میدان سے ہٹے۔ قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی میں اسکو یوم الارماث کہتے ہیں۔

سعد جسوقت بالاخانے پر بیٹھے فوج کو لڑا رہے تھے۔ اُن کی بی بی سلمی اُن کے برابر بیٹھی تھی ایرانیوں نے جب ہاتھیوں کو ریلا اور مسلمان پیچھے ہٹے تو سعد غصے کے مارے بیتاب ہوئے جاتے تھے اور بار بار کروٹیں بدلتے تھے۔ سلمی یہ حالت دیکھ کر بے اختیار چلا اُٹھی کہ افسوس آج مثنی نہ ہوا" سعد نے اُس کے مُونہ پر تھپڑ کھینچ مارا کہ "مثنی ہوتا تو کیا کر لیتا" سلمی نے کہا سبحان اللہ بزدلی کے ساتھ غیرت بھی۔ یہ اسبات پر طعن تھا کہ سعد خود لڑائی میں شریک نہ تھے۔

اگلے دن سعد نے سب سے پہلے میدانِ جنگ سے مقتولوں کی لاشیں اٹھوا کر دفن کرائیں اور جس قدر زخمی تھے مرہم پٹی کے لیے عورتوں کے حوالے کیے۔ پھر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا۔ لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اٹھا، گرد پھٹی تو معلوم ہوا کہ ابو عبیدہ نے شام سے جو امدادی فوجیں بھیجیں تھیں وہ آپہنچیں، حضرت عمرؓ نے جس زمانے میں عراق پر حملے کی تیاریاں کی تھیں اسی زمانے میں ابو عبیدہ کو جو شام کی مہم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کی جو فوج وہاں بھیج دی گئی تھی اسکو حکم دو کہ سعد کی فوج سے جا کر ملجائے۔ چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائیدِ غیبی سمجھی گئی۔ چھ ہزار سپاہی تھے جن میں پانچ ہزار ربیعہ و مضر اور ہزار خاص حجاز کے تھے۔ ہاشم بن عتبہ (سعد کے بھائی) سپہ سالار تھے۔ اور ہر اول قعقاع رکاب میں تھا۔ قعقاع نے پہنچتے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے کو آئے۔ ادھر سے بہمن نکلا۔ قعقاع۔ جسر کا واقعہ یاد کر کے پکار اٹھے کہ "لینا ابو عبید کا قاتل جانے نہ پائے" دونوں حریف تلوار لے کر مقابل ہوئے اور کچھ دیر کی ردوبدل کے بعد بہمن مارا گیا۔ دیر تک دونوں طرف کے بہادر تنہا تنہا میدان میں نکل کر شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ سیستان کا شہزادہ شہر براز، اعور بن قطبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بزرجمہر ہمدانی جو ایک مشہور بہادر تھا قعقاع سے لڑ کر قتل ہوا۔ غرض ہنگامہ عام ہونے سے پہلے ایرانی فوج نے اکثر اپنے نامور بہادر کھو دیے۔ تاہم بڑے زور شور سے دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں۔

شام کی امدادی فوج کو قعقاع نے اس تدبیر سے روانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے کر دیے تھے اور جب ایک دستہ میدان جنگ میں پہنچ جاتا تھا تو دوسرا دور سے نمودار ہوتا تھا اس طرح تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیوں پر رعب چھا گیا۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے مارتا ہوا آتا تھا اور قعقاع اس کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔

ہاتھیوں کے لیے قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر جھول اور برقع ڈال کر ہاتھیوں کی طرح

مہیب بنایا - یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رُخ کرتے تھے - ایرانیوں کے گھوڑے بدک کر سواروں کے قابو سے نکل جاتے تھے۔

عین ہنگامہ جنگ میں حضرت عمرؓ کے قاصد پہنچے جن کے ساتھ نہایت بیش قیمت عربی گھوڑے اور تلواریں تھیں۔ ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المومنین نے یہ انعام اُن لوگوں کو بھیجا ہے جو اسکا حق ادا کرسکیں۔ چنانچہ قعقاع نے حمال بن مالک - ربیل بن عمرو طلیحہ بن خویلد، عاصم بن عمرو التمیمی کو تلواریں حوالہ کیں اور قبیلہ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کیے۔ ربیل نے فخر کے جوش میں آکر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

لقد علم الاقوام انا احقهم	اذا حصلوا بالمرهفات البواتر
سب لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم سب سے زیادہ مستحق ہیں	جسوقت لوگوں نے کاٹنے والی نازک تلواریں پائیں

جسوقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا **ابو محجن ثقفی** جو ایک مشہور بہادر اور شاعر تھے اور جن کو شراب پینے کے جرم پر سعد نے قید کر دیا تھا قید خانے کے دریچہ سے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوئے جاتے تھے - آخر نہ ضبط کرسکے سلمیٰ (سعد کی بیوی) کے پاس گئے کہ خدا کے لیئے اس وقت مجکو چھوڑ دو - لڑائی سے جیتا بچا تو خود آکر بیڑیاں پہن لوں گا سلمیٰ نے انکار کیا - یہ حسرت کے ساتھ واپس آئے اور بار بار پُر درد لہجہ میں یہ اشعار پڑھتے تھے -

كفى حزنا ان تردى الخيل بالقنا	واترك مشدودا على وثاقيا
اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں	اور میں زنجیروں میں بندھا پڑا ہوں
اذا قمت عنانی الحدید واغلقت	مصاريع من دونی تصم المناديا
جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی	اور دروازے اسطرح بند کر دیئے جاتے ہیں کہ پکارنیوالا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے

ان اشعار نے سلمیٰ کے دل پر یہ اثر کیا کہ خود آکر بیڑیاں کاٹ دیں، انھوں نے فوراً اصطبل میں

جاکر سعد کے گھوڑے پر جسکا نام بلقا تھا زین کسا اور میدانِ جنگ میں پہنچکر بھالے کے ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ میمنہ سے میسرہ تک کا چکر لگایا۔ پھر اس زور و شور سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے صف کی صف اُلٹ دی۔ تمام لشکر متحیر تھا کہ یہ کون بہادر ہے۔ سعد بھی حیران تھے۔ اور دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابومحجن کا ہے لیکن وہ تو قیدخانے میں قید ہے۔ شام ہوئی تو ابومحجن نے قیدخانے میں آکر خود بیڑیاں پہن لیں سلمیٰ نے یہ تمام حالات سعد سے بیان کیے۔ سعد نے اُسی وقت اُن کو رہا کر دیا اور کہا خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں نثار ہو میں اُسکو سزا نہیں دے سکتا" ابومحجن نے کہا تو خدا میں بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤنگا۔

خنساء جو عرب کی مشہور شاعرہ تھی اس معرکے میں شریک تھی اور اُس کے چاروں بیٹے بھی ساتھ تھے۔ لڑائی جب شروع ہوئی تو اُس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا۔

لم تنب بکم البلاد و لم تقحمکم السنة	پیارے بیٹو! تم اپنے ملک کو دو بھر نہ تھے نہ تم پر قحط پڑا تھا
ثم جئتم بامکم عجوز کبیرة فوضعتموها بین	باوجود اس کے تم اپنی کہن سال ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے
ایدی اهل فارس واللّٰه انکم لبنو رجل واحد	ڈال دیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح ایک
کما انکم بنو امرأة واحدة ما خنت اباکم ولا فضحت	باپ کے بھی ہو۔ میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی
خالکم انطلقوا فاشهدوا اول القتال وآخره	نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا۔ لو جاؤ اخیر تک لڑو۔

بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اُٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب نگاہ سے اوجھل ہو گئے۔ تو **خنساء** نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا خدایا! میرے بیٹوں کو بچانا"

اس دن مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے تاہم فتح و شکست کا کچھ

سلہ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۸ سلہ خنساء کے واقعات نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب ہیں۔ اسکا دیوان بیروت میں چھپ گیا ہے اور اُسکے مفصل حالات علامہ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں لکھے ہیں اصناف شعر میں مرثیہ گوئی میں اسکا کوئی نظیر نہیں گزرا چنانچہ بازار عکاظ میں اُسکے خیمے کے دروازے پر ایک علم نصب کیا جاتا تھا جس پر لکھا ہوتا تھا ارثی العرب یعنی تمام عرب میں سب سے بڑھ کر مرثیہ گو۔ وہ اسلام بھی لائی اور حضرت عمرؓ کے دربار میں حاضر ہوئی تھی ۱۲ ✦

فیصلہ نہ ہوا۔ یہ معرکہ **اغواث** کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ رات کے وقت چند رسالوں اور پیدل فوجوں کو حکم دیا کہ پڑاؤ سے دُور شام کی طرف نکل جائیں۔ پو پھٹے سَو سَو سوار میدانِ جنگ کی طرف گھوڑے اُڑاتے ہوئے آئیں اور اور رسالے اسی طرح برابر آتے جائیں چنانچہ صبح ہوتے ہوتے پہلا رسالہ پہنچا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور غل پڑ گیا کہ نئی امدادی فوجیں آگئیں۔ ساتھ ہی حملہ ہوا۔ حسنِ اتفاق یہ کہ ہشام جنکو ابو عبیدہ نے شام سے مدد کے لیے بھیجا تھا۔ عین موقع پر سات سَو سواروں کے ساتھ پہنچ گئے۔ **یزدجرد** کو دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں اور برابر فوجیں بھیجتا تھا۔ ہشام نے فوج کی طرف خطاب کیا اور کہا تمھارے بھائیوں نے شام کو فتح کر لیا۔ فارس کی فتح کا جو خدا کی طرف سے وعدہ ہوا ہے وہ تمھارے ہاتھ سے پورا ہوگا۔ معمول کے موافق جنگ کا آغاز یوں ہوا کہ ایرانیوں کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح ڈکارتا ہوا میدان میں آیا۔ اسکا ڈیل ڈول دیکھ کر لوگ اُس کے مقابلے سے جی چراتے تھے۔ لیکن ایک عجیب اتفاق سے وہ ایک کمزور سپاہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ایرانیوں نے تجربہ اُٹھا کر ہاتھیوں کے دائیں بائیں پیدل فوجیں قائم کر دی تھیں۔ عمرو معدیکرب نے رفیقوں سے کہا کہ میں مقابل کے ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا۔ ورنہ عمرو معدیکرب مارا گیا تو پھر معدی کرب پیدا نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے کھینچ لی اور ہاتھی پر حملہ کیا۔ لیکن پیدل فوجیں جو دائیں بائیں تھیں دفعتًہ اُن پر ٹوٹ پڑیں اور اسقدر گرد اٹھی کہ یہ نظر سے چھپ گئے۔ یہ دیکھ کر ان کی رکاب کی فوج حملہ آور ہوئی اور بڑے معرکے کے بعد دشمن پیچھے ہٹے۔ عمرو معدی کرب کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے اَٹا ہوا تھا۔ بدن پر جا بجا برچھیوں کے زخم تھے۔ تاہم تلوار قبضے میں تھی اور ہاتھ چلتا جاتا تھا۔ اسی حالت میں ایک ایرانی سوار برابر سے نکلا۔ انھوں نے اُس کے گھوڑے کی دُم پکڑ لی۔ ایرانی نے بار بار مہمیز کیا لیکن گھوڑا

جگہ سے ہل نہ سکا آخر سوار اُتر کر بھاگ نکلا اور یہ اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔

سعد نے یہ دیکھ کر کہ ہاتھی جس طرف رُخ کرتے ہیں دَل کا دَل پھٹ جاتا ہے ضخم و سلم وغیرہ کو جو پارسی تھے اور مسلمان ہو گئے تھے بُلا کر پوچھا کہ اس بلائے سیاہ کا کیا علاج ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ ان کی سونڈ اور آنکھیں بے کار کر دی جائیں۔ تمام غول میں دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پیکر اور گویا کُل ہاتھیوں کے سردار تھے۔ ایک ابیض اور دوسرا اجرب کے نام سے مشہور تھا سعد نے قعقاع۔ عاصم۔ حمال۔ ربیل کو بُلا کر کہا کہ یہ مہم تمہارے ہاتھ ہے۔ قعقاع نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیج دیے کہ ہاتھیوں کو نرغہ میں کر لیں۔ پھر خود برچھا ہاتھ میں لے کر پیل سفید کی طرف بڑھے۔ عاصم بھی ساتھ تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ برچھے مارے کہ آنکھوں میں پیوست ہو گئے ہاتھی جھرجھری لے کر پیچھے ہٹا ساتھ ہی قعقاع کی تلوار پڑی اور سونڈ مستک سے الگ ہو گئی ادھر ربیل و حمال نے اجرب پر حملہ کیا۔ وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اُس کے پیچھے ہوئیے اور دم کی دم میں یہ سیاہ بادل بالکل چھٹ گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ آزمائی کا موقع ملا اور اس زور کا رَن پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دہل دہل پڑتی تھی۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اس معرکے کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔ ایرانیوں نے فوج نئے سرے سے ترتیب دی۔ قلب میں اور دائیں بائیں تیرہ تیرہ صفیں قائم کیں۔ مسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا اور آگے پیچھے تین پرے جمائے۔ سب سے آگے سواروں کا رسالہ اُن کے بعد پیدل فوجیں، اور سب سے پیچھے تیر انداز۔ سعد نے حکم دیا تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جاوے لیکن ایرانیوں نے جب تیر برسانے شروع کیے تو قعقاع سے ضبط نہ ہو سکا اور اپنے رکاب کی فوج لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی اُصول کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی میں داخل تھی۔ تاہم لڑائی کا ڈھنگ اور قعقاع کا جوش دیکھ کر سعد کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ اللھم اغفرلہ وانصرہ یعنی اے خدا

قعقاع کو معاف کرنا اور اُسکا مددگار رہنا۔ قعقاع کو دیکھ کر بنو اسد اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی نخع۔ بجیلہ کندہ سب ٹوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ خدا اِسکو معاف کرنا اور یاور رہنا اول اول سواروں کے رسالے نے حملہ کیا۔ لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار کی طرح جمی کھڑی تھیں اس ثابت قدمی سے لڑیں کہ گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہ دیکھکر سب گھوڑوں سے کود پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے۔

ایرانیوں کا ایک رسالہ سرتاپا لوہے میں غرق تھا۔ قبیلۂ جمیضہ نے اُسپر حملہ کیا۔ لیکن تلواریں زرہوں پر اُچٹ اُچٹ کر رہگئیں۔ سردارِ قبیلہ نے للکارا۔ سب نے کہا زرہوں پر تلواریں کام نہیں دیتیں۔ اُس نے غصّے میں آکر ایک ایرانی پر برچھے کا وار کیا کہ کمر کو توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر اَوروں کو بھی ہمّت ہوئی اور اِس بہادری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ برباد ہوگیا۔

تمام رات ہنگامۂ کارزار گرم رہا، لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چُور ہوگئے تھے اور نیند کے خُمار میں ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے جاتے تھے۔ اِسپر بھی جب فتح اور شکست کا فیصلہ نہ ہوا تو قعقاع نے سردارانِ قبائل میں سے چند نامور بہادر اِنتخاب کیے اور سپہ سالار فوج رستم کی طرف رُخ کیا۔ ساتھ ہی قیس۔ اشعث۔ عمر معدی کرب۔ ابن ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے ساتھیوں کو للکارا کہ دیکھو! "یہ لوگ خدا کی راہ میں تم سے آگے نکلنے نہ پائیں" اور اور سرداروں نے بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہوکر اس جوش سے تقریریں کیں کہ تمام لشکر میں ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تیر و کمان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں۔ اِس جوش کے ساتھ تمام فوج، سیلاب کی طرح بڑھی، اور فیرزان و ہرمزان کو ہٹاتے ہوئے رستم کے قریب پہنچ گئی۔ رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا۔ یہ حالت دیکھکر تخت سے کود پڑا اور دیر تک مردانہ لڑتا رہا۔ جب زخموں سے بالکل چُور ہوگیا تو بھاگ چلا، ہلال نام ایک سپاہی نے تعاقب کیا۔ اتفاق سے ایک نہر سامنے سے آگئی۔ رستم کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے۔ ساتھ ہی

ہلال بھی کود کے اور ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لائے۔ پھر تلوار سے کام تمام کر دیا۔ ہلال نے لاش خچروں کے پاؤں میں ڈال دی اور تخت پر چڑھ کر پکارے کہ "رستم کا میں نے خاتمہ کر دیا۔" ایرانیوں نے دیکھا تو تخت سپہ سالار سے خالی تھا۔ تمام فوج میں بھاگڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔

افسوس ہے کہ اس واقعہ کو ہمارے ملک الشعراء نے قومی جوش کے اثر سے بالکل غلط لکھا ہے

برآمد خروشے ز لشکر دو رعد　　ز یک سوئے رستم ز یک سوئے سعد

چو دیدار رستم بخون تیرہ گشت　　جواں مرد تازی بروچیرہ گشت

ہمارے شاعر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ سعد اس واقعہ میں سرے سے شریک ہی نہ تھے۔

شکست کے بعد بھی چند نامور افسر جو ریاستوں کے مالک تھے میدان میں ثابت قدم رہے ان میں سے شہریار۔ ابن الہربذ۔ فرخان اہوازی۔ خسرو شنوم ہمدانی نے مردانہ جان دی لیکن ہرمزان اہود۔ قارن موقع پاکر بھاگ نکلے۔ ایرانیوں کے کشتوں کا تو شمار نہ تھا۔ مسلمان بھی کم و بیش چھ ہزار کام آئے۔

اس فتح میں چونکہ سعد خود شریکِ جنگ نہ تھے فوج کو اُن کی طرف سے بدگمانی رہی۔ یہاں تک کہ ایک شاعر نے کہا۔

وقاتلت حتى انزل الله نصره	وسعد بباب القادسية معصم
میں برابر لڑا کیا یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی	لیکن سعد۔ قادسیہ کے دروازے سے چپٹے رہے
فابنا وقد امت نساء كثيرة	ونسوة سعد ليس فيهن ايم
ہم واپس پھرے تو سیکڑوں عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں	لیکن سعد کی کوئی بیوی بیوہ نہیں ہوئی

۱؎ علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ رستم کے قاتل کا نام معلوم نہیں۔ لیکن عمرو معدی کرب۔ طلیحہ بن خویلد۔ قرط بن جماح۔ ان تینوں نے مل کر قتل کیا تھا۔ میں نے جو روایت لکھی ہے وہ الاخبار الطوال کی روایت ہے۔

یہ اشعار اُسی وقت بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے۔ یہاں تک کہ سعد نے تمام فوج کو جمع کر کے آبلوں کے زخم دکھائے اور اپنی معذوری ثابت کی۔

سعد نے حضرت عمر کو نامۂ فتح لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی۔ حضرت عمر کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قادسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلتے مدینے سے نکل جاتے اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ ایک دن معمول کے موافق نکلے اُدھر سے ایک شتر سوار آرہا تھا بڑھ کر پوچھا کہ کدھر سے آتے ہو۔ وہ سعد کا قاصد تھا اور مژدۂ فتح لے کر آتا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ سعد کا قاصد ہے تو اُس سے حالات پوچھنے شروع کیے۔ اُس نے کہا۔ خدا نے مسلمانوں کو کامیاب کیا حضرت عمر رکاب کی برابر دوڑتے جاتے تھے اور حالات پوچھتے جاتے تھے۔ شتر سوار شہر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ جو شخص سامنے آتا ہے انکو امیر المومنین کے لقب سے پکارتا ہے۔ ڈر سے کانپ اُٹھا اور کہا کہ حضرت نے مجکو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا"، فرمایا نہیں کچھ ہرج نہیں، تم سلسلۂ کلام کو نہ توڑو چنانچہ اسی طرح اس کے رکاب کے ساتھ ساتھ گھر تک آئے۔ مدینے پہنچکر مجمع عام میں فتح کی خوشخبری سُنائی۔ اور ایک نہایت پُر اثر تقریر کی جسکا اخیر فقرہ یہ تھا "مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہوں۔ میں خود خدا کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمہارا کام کروں کہ تم چین سے گھروں میں سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن قول سے نہیں بلکہ عمل سے"

قادسیہ کے معرکے میں جو عجم یا عرب مسلمانوں سے لڑے تھے اُن میں ایسے بھی تھے جو دل سے لڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ زبردستی فوج میں پکڑ آئے تھے بہت سے لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے۔ فتح کے بعد یہ لوگ سعد کے پاس آئے اور اَمن کی درخواست کی۔ سعد نے دربار خلافت

کو لکھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو بلا کر رائے لی۔ اور سب نے بالاتفاق منظور کیا۔ غرض تمام ملک کو امن دیدیا گیا۔ جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آ آ کر آباد ہونے گئے۔ رعایا کے ساتھ یہ ارتباط بڑھا کہ اکثر بزرگوں نے اُن میں رشتہ داریاں کریں۔

ایرانیوں نے قادسیہ سے بھاگ کر بابل میں مقام کیا تھا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا۔ اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان مہیا کر لیئے تھے۔ اور فیروزان کو سرلشکر قرار دیا تھا۔ سعد نے اُن کے استیصال کے لیئے سنہ ۱۵ ہجری (۶۳۶ء) میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کیے کہ راستہ صاف کرتے جائیں۔ چنانچہ مقام بُرس میں بصبری سدِ راہ ہوا اور میدانِ جنگ میں زخم اُٹھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ بُرس کے رئیس نے جسکا نام بسطام تھا صلح کر لی اور بابل تک موقع بموقع پُل تیار کرا دیئے کہ اسلامی فوجیں بے تکلف گزر جائیں۔ بابل میں اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار نخیرجان۔ ہرمزان۔ مہران۔ مہرجان۔ وغیرہ جمع تھے لیکن پہلے ہی حملہ میں بھاگ نکلے۔ سعد نے خود بابل میں مقام کیا۔ اور زہرہ کی افسری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کیں۔ عجمی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوثی میں ٹھہری تھیں اور شہریار جو رئیس زادہ تھا اُن کا سپہ سالار تھا۔ زہرہ کوثی سے گزرے تو شہریار آگے بڑھ کر مقابل ہوا اور میدانِ جنگ میں آکر پُکارا کہ جو بہادر تمام لشکر میں انتخاب ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے۔ زہرہ نے کہا میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا لیکن تیرا یہ دعوی ہے تو کوئی غلام تیرے مقابلے کو جائیگا۔ یہ کہہ کر نابل کو جو قبیلۂ تمیم کا غلام تھا اشارہ کیا۔ اُس نے گھوڑا آگے بڑھایا۔ شہریار دیو کا سا تن و توش رکھتا تھا نابل کو کمزور دیکھ کر نیزہ ہاتھ سے پھینک گردن میں ہاتھ ڈال زور سے کھینچا اور زمین پر گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اتفاق سے شہریار کا انگوٹھا نابل کے مونہہ میں آ گیا۔ نابل نے اِس زور سے کاٹا کہ شہریار تلملا گیا۔ نابل موقع پا کر اُس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار سے پیٹ کو چاک کر دیا۔ شہریار نہایت عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا۔ نابل نے

سنہ ۱۵ھ ۶۳۶ء

زرہ وغیرہ اُس کے بدن سے اُتار کر سعد کے آگے لا کر رکھ دیں۔ سعد نے عبرت کے لیئے حکم دیا کہ قاتل وُہی لباس اور اسلحہ سج کر آئے۔ چنانچہ شہریار کے زرق برق لباس اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر وہ مجمع عام میں آیا تو لوگوں کی آنکھوں میں زمانے کی نیرنگیوں کی تصویر پھر گئی۔

کوثی ایک تاریخی مقام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہیں قید رکھا تھا چنانچہ قید خانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی۔ سعد اسکی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی تلک الایام نداولھا بین الناس کوثی سے آگے پائے تخت کے قریب بہرہ شیر ایک مقام تھا یہاں ایک شاہی رسالہ رہتا تھا جو ہر روز ایک بار قسم کھا کر کہتا تھا کہ "جب تک ہم ہیں سلطنت فارس پر کبھی دبال نہیں آ سکتا" یہاں ایک شیر پلا ہوا تھا جو کسرے سے بہت ہلا ہوا تھا اور اسی لیئے اس شہر کو بہرہ شیر کہتے تھے سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر نکلا۔ لیکن ہاشم نے جو ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سعد نے اس بہادری پر اُن کی پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھ کر سعد نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا اور فوج نے اِدھر اُدھر پھیل کر ہزاروں آدمی گرفتار کر لیئے۔ شہرزاد نے جو ساباط کا رئیس تھا سعد سے کہا کہ یہ معمولی کاشتکار ہیں ان کے قید کرنے سے کیا حاصل۔ چنانچہ سعد نے اُن کے نام دفتر میں درج کر لیئے اور چھوڑ دیا۔ آس پاس کے تمام رئیسوں نے جزیہ قبول کر لیا لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ دو مہینے تک برابر محاصرہ رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعہ سے نکلکر معرکہ آرا ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے جوش و خروش سے سب کے سب مرنے پر کمریں باندھیں اور تیر برساتے ہوئے نکلے۔ مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ زُہرہ جو ایک مشہور افسر تھے اور معرکوں میں سب سے آگے آگے رہتے تھے۔ اُن کی زرہ کی کڑیاں کہیں کہیں سے ٹوٹ گئی تھیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس زرہ کو بدل کر نئی پہن لیجئے۔ بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کہاں ہوں؟ کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئیں۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر اُن ہی کو آ کر لگا لوگوں نے نکالنا چاہا تو اُنھوں نے

منع کیا کہ جب تک یہ بدن میں ہے اُسی وقت تک میں زندہ بھی ہوں"۔ چنانچہ اُسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑھے اور شہریار کو جو ایک نامی افسر تھا تلوار سے مارا۔ تھوڑی دیر لڑ کر ایرانی بھاگ چلے اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اُڑایا۔

بہرشیر اور مدائن میں صرف دجلہ حائل تھا۔ سعد بہرشیر سے بڑھے تو آگے دجلہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں جہاں پل بندھے تھے توڑ کر بے کار کر دیئے تھے۔ سعد دجلہ کے کنارے پر پہنچے تو نہ پل تھا نہ کشتی۔ فوج کی طرف مخاطب ہو کر کہا "برادرانِ اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ مہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے"۔ یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ اِن کو دیکھ کر اَوروں نے بھی ہمت کی اور دفعۃً سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ دریا اگرچہ نہایت ذخار اور متلاطم تھا لیکن ہمت اور جوش نے طبیعتوں میں یہ استقلال پیدا کر دیا تھا کہ موجیں برابر گھوڑوں سے آ آ کر ٹکراتی تھیں اور یہ رکاب سے رکاب ملا کر آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ یمین و یسار کی جو ترتیب تھی اُس میں بھی فرق نہ آیا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب فوج بالکل کنارے کے قریب آ گئی تو اُن کو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں، جن ہیں۔ چنانچہ "دیوان آمدند۔ دیوان آمدند" کہتے ہوئے بھاگے[1] تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جما رہا اور گھاٹ پر تیر اندازوں کے دستے متعین کر دیئے۔ ایک گروہ دریا میں اُتر کر سدِّ راہ ہوا۔ لیکن مسلمان سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور تیر اندازوں کو خس و خاشاک کی طرح ہٹاتے پار نکل آئے۔ یزدگرد نے حرم اور خاندانِ شاہی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا تھا یہ خبر سُن کر خود بھی شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ سعد مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار یہ آیتیں زبان سے نکلیں كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ

[1] تاریخ طبری میں بعینہٖ یہی الفاظ ہیں ۱۲

کَرِیْمٍ وَّ نَعْمَۃٍ کَانُوْا فِیْہَا فٰکِہِیْنَ کَذٰلِکَ وَاَوْرَثْنٰہَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ۔

ایوان کسریٰ میں تختِ شاہی کے بجائے منبر نصب ہوا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اُسی میں ادا کی گئی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔ ہمارے فقہا کو تعجب ہوگا کہ سعد نے باوجودیکہ اکابر صحابہ میں سے تھے اور برسوں جنابِ رسالت مآب کی صحبت میں رہے تھے عالمگیر و محمود کی تقلید نہیں کی بلکہ ایوان میں جس قدر مجسّم تصویریں تھیں سب برقرار رہنے دیں[1]۔

تیسرے دن ٹھیر کر سعد نے حکم دیا کہ ایوانات شاہی کا خزانہ اور نادرات لاکر ایک جا جمع کیے جائیں کیانی سلسلے سے لیکر نوشیرواں کے عہد تک کی ہزاروں یادگار چیزیں تھیں۔ خاقانِ چین راجہ داہر قیصر روم۔ نعمان بن منذر۔ سیاوش۔ بہرام چوبین۔ کی زرہیں اور تلواریں تھیں۔ کسریٰ ہرمز اور قباد کے خنجر تھے۔ نوشیرواں کا تاج زرنگار۔ اور ملبوس شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا۔ اور سینے پر یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان تھی اور مُہار میں بیش قیمت یاقوت پڑے ہوئے تھے۔ ناقہ سوار سر سے پاؤں تک جواہرات سے مُرصّع تھا۔ سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا جس کو ایرانی بہار کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کا موسم نکل جاتا تھا تو اُس پر بیٹھ کر شراب پیتے تھے۔ اس رعایت سے اُس میں بہار کے تمام سامان مہیا کیے تھے۔ بیچ میں سبزے کا چمن تھا۔ چاروں طرف جدولیں تھیں ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگوفے اور پھول اور پھل تھے طرہ یہ کہ جو کچھ تھا زر و جواہرات کا تھا۔ یعنی سونے کی زمین۔ زمرد کا سبزہ۔ پکھراج کی جدولیں۔ سونے چاندی کے درخت، حریر کے پتے۔ جواہرات کے پھل تھے۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غارتگری میں ہاتھ آیا تھا۔ لیکن اہل فوج ایسے راستباز اور

[1] علامہ طبری نے جو بڑے محدث بھی تھے تصریح کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے ۱۲

دیانت دار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بجنسہ لا کر افسر کے پاس حاضر کر دی تھی۔ چنانچہ جب سب سامان لا کر سجایا گیا اور دُور دور تک میدان جگمگا اُٹھا۔ تو خود سعد کو حیرت ہوئی۔ بار بار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان نادرات کو ہاتھ نہیں لگایا، بےشبہہ انتہا کے دیانت دار ہیں۔ مالِ غنیمت حسبِ قاعدہ تقسیم ہو کر پانچواں حصہ دربارِ خلافت میں بھیجا گیا۔ فرش اور قدیم یادگاریں بجنسہ بھیجی گئیں کہ اہلِ عرب، ایرانیوں کے جاہ و جلال اور اسلام کی فتح و اقبال کا تماشا دیکھیں۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب یہ سامان پہنچے گئے تو اُن کو بھی فوج کی دیانت اور استغنا پر حیرت ہوئی۔

محلم نام مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزوں قامت اور خوبصورت تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ نوشیرواں کے ملبوسات اُسکو لا کر پہنائے جائیں۔ یہ ملبوسات مختلف حالتوں کے تھے۔ سواری کا جُدا۔ دربار کا جدا۔ جشن کا جُدا۔ تہنیت کا جُدا۔ چنانچہ باری باری تمام ملبوسات محلم کو پہنائے گئے۔ جب ملبوس خاص اور تاج زرنگار پہنا تو تماشائیوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور دیر تک لوگ حیرت سے تکتے رہے۔ فرش کی نسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے خود حضرت عمرؓ کا بھی یہی منشا تھا۔ لیکن حضرت علیؓ کے اصرار سے اس بہار پر بھی خزاں آئی اور دولتِ نوشیروانی کے مُرقع کے پُرزے اُڑ گئے۔

یورپ کے موجودہ مذاق کے موافق یہ ایک وحشیانہ حرکت تھی۔ لیکن ہر زمانے کا مذاق جُدا ہے وہ مقدس زمانہ جس میں زخارفِ دنیوی کی عزت نہیں کیجاتی تھی۔ دنیاوی یادگاروں کی کیا پروا کر سکتا تھا۔

جلولا۱؎ سنہ ۱۶ ہجری سنہ ۱۶ھ ۶۳۷ء

۶۳۷ء

۱؎ جلولاء۔ بغداد کے سواد میں ایک شہر ہے جو بسبب چھوٹے ہونے کے نقشے میں مندرج نہیں ہے بغداد سے خراسان جاتے وقت راہ میں پڑتا ہے ۱۲

یہ معرکہ فتوحاتِ عراق کا خاتمہ تھا۔ مداین کی فتح کے بعد۔ ایرانیوں نے جلولا میں جنگ کی تیاریاں شروع کیں اور ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ خرزاد نے جو رستم کا بھائی اور سرِ لشکر تھا نہایت تدبیر سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور رستوں اور گزرگاہوں پر گوکھرو بچھا دیئے۔ سعد کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمرؓ کو خط لکھا۔ وہاں سے جواب آیا کہ ہاشم بن عتبہ بارہ ہزار فوج لے کر اس مہم پر جائیں اور مقدمۃ الجیش پر قعقاع، میمنہ پر مسعر بن مالک، میسرہ پر عمرو بن مالک، ساقہ پر عمرو بن مرۃ مقرر ہوں۔ ہاشم مداین سے روانہ ہو کر چوتھے دن جلولا پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینوں محاصرہ رہا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس طرح اسّی معرکے ہوئے لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ شکست کھائی تاہم چونکہ شہر میں ہر طرح کا ذخیرہ مہیّا تھا اور لاکھوں کی جمعیّت تھی بیدل نہیں ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے زور شور سے نکلے مسلمانوں نے بھی جم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ دفعتہً اس زور کی آندھی چلی کہ زمین و آسمان میں اندھیرا ہو گیا ایرانی مجبور ہو کر پیچھے ہٹے۔ لیکن گرد و غبار کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہزاروں آدمی خندق میں گر کر مر گئے۔ ایرانیوں نے یہ دیکھ کر جا بجا سے خندق کو پاٹ کر راستہ بنایا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی تو انھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حملے کی تیاریاں کیں۔ ایرانیوں کو بھی دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں۔ اسی وقت مسلمانوں کی آمد کے رُخ گوکھرو بچھوا دیئے اور فوج کو سر و سامان سے درست کر کے قلعہ کے دروازے پر جما دیا۔ دونوں حریف اس طرح دل توڑ کر لڑے کہ لیلۃ الہریر کے سوا کبھی نہیں لڑے تھے۔ اوّل تیروں کا مینہ برسا، ترکش خالی ہو گئے تو بہادروں نے نیزے سنبھالے یہاں تک کہ نیزے بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے تو تیغ و خنجر کا معرکہ شروع ہوا قعقاع نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے اور برابر آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ لیکن سپہ سالار فوج یعنی ہاشم پیچھے رہ گئے تھے اور فوج

کا بڑا حصہ انھیں کی رکاب میں تھا۔ قعقاع نے نقیبوں سے پکروا دیا کہ سپہ سالار قلعہ کے دروازہ تک پہنچ گیا ہے، فوج نے قعقاع کو ہاشم سمجھا اور دفعۃً ٹوٹ کر گری۔ ایرانی گھبرا کر ادھر ادھر بھاگے لیکن جس طرف جاتے تھے گوکھرو بچھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے بیدریغ قتل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ مؤرخ طبری کی روایت کے موافق لاکھ آدمی جان سے مارے گئے اور تین کرور غنیمت ہاتھ آئی۔

سعد نے مژدہ فتح کے ساتھ پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیجا۔ زیاد نے جو مژدہ فتح لے کر گئے تھے نہایت فصاحت کے ساتھ جنگ کے حالات بیان کیے حضرت عمر نے فرمایا کہ ان واقعات کو اسی طرح مجمع عام میں بھی بیان کر سکتے ہو؟ زیاد نے کہا ہیں کسی سے مرعوب ہوتا تو آپ سے ہوتا۔ چنانچہ مجمع عام ہوا اور انھوں نے اس فصاحت و بلاغت سے تمام واقعات بیان کیے کہ معرکہ کی تصویر کھینچ دی۔ حضرت عمر بول اٹھے کہ خطیب اسکو کہتے ہیں انھوں نے برجستہ کہا۔

ان جندنا اطلقونا	بالفعال لساننا

اسکے بعد زیاد نے غنیمت کا ذخیرہ حاضر کیا لیکن اسوقت شام ہو چکی تھی اس لیئے تقسیم ملتوی رہی اور صحن مسجد میں انکا ڈھیر لگا دیا گیا۔ عبدالرحمن بن عوف اور عبداللہ بن ارقم نے رات بھر پہرہ دیا۔ صبح کو مجمع عام میں چادر ہٹائی گئی، درہم و دینار کے علاوہ انبار کے انبار جواہرات تھے حضرت عمر بے ساختہ رو پڑے لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ رونے کا کیا محل ہے؟ فرمایا کہ جہاں دولت کا قدم آتا ہے رشک و حسد بھی ساتھ آتی ہے۔

یزدگرد کو جلولا کی شکست کی خبر پہنچی تو حلوان چھوڑ کر رے کو روانہ ہوا اور خسرو شنوم کو جو ایک معزز افسر تھا چند رسالوں کے ساتھ حلوان کی حفاظت کے لیئے چھوڑتا گیا۔ سعد خود جلولا میں ٹھیرے اور قعقاع کو حلوان کی طرف روانہ کیا۔ قعقاع قصر شیریں میں حلوان سے تین میل پر

ب) کے قریب پہنچے تھے کہ خسرو شنوم خود آگے بڑھکر مقابل ہوا۔ لیکن شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ قعقاع نے حلوان پہنچکر مقام کیا اور ہر طرف امن کی منادی کرادی۔ اطراف کے رئیس آکر جزیہ قبول کرتے جاتے تھے اور اسلام کی حمایت میں آتے جاتے تھے۔ یہ فتح عراق کی فتوحات کا خاتمہ تھی۔ کیونکہ عراق کی حد یہاں ختم ہوجاتی ہے۔

فتوحات شام

سلسلۂ واقعات کے لحاظ سے ہم اس موقع پر شام کی لشکرکشی کے ابتدائی حالات بھی نہایت اجمال کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے آغاز ۱۳ھ ہجری میں شام پر کئی طرف سے لشکرکشی کی۔ ابوعبیدہ کو حمص پر۔ یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر شرجیل کو اردن پر۔ عمرو بن العاص کو فلسطین پر مامور کیا۔ فوجوں کی مجموعی تعداد ۲۴۰۰۰ تھی۔ عرب کی سرحد سے نکل کر ان افسروں کو ہر قدم پر رومیوں کے بڑے بڑے جتھے ملے جو پہلے سے مقابلہ کے لئے تیار تھے ان کے علاوہ قیصر نے تمام ملک سے فوجیں جمع کرکے الگ الگ افسروں کے مقابلہ پر بھیجیں، یہ دیکھکر افسران اسلام نے اسپر اتفاق کیا کہ کل فوجیں یکجا جمع ہوجائیں۔ اس کے ساتھ حضرت ابوبکر کو خط لکھا کہ اور فوجیں مدد کو روانہ کیجائیں، چنانچہ خالد بن الولید جو عراق کے مہم پر مامور تھے عراق چلکر راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے اور فتح حاصل کرتے، دمشق پہنچے اور اسکو صدر مقام قرار دے کر وہاں مقام کیا۔ قیصر نے ایک بہت بڑی فوج مقابلے کے لیے روانہ کی جس نے اجنادین پہنچکر جنگ کی تیاریاں شروع کیں خالد اور ابوعبیدہ خود پیشقدمی کرکے اجنادین پر بڑھے اور اور افسروں کو لکھ بھیجا کہ وہیں آکر ملجائیں، چنانچہ شرجیل۔ یزید۔ عمرو بن العاص وقت مقررہ پر اجنادین پہنچ گئے۔ خالد نے بڑھ کر حملہ کیا اور بہت بڑے معرکے کے بعد جس میں

تین ہزار مسلمان مارے گئے۔ فتح کامل حاصل ہوئی۔ یہ واقعہ حسب روایت بن اسحاق ۲۸ جمادی الاولی سنہ ۱۳ھ میں واقع ہوا۔ اس مہم سے فارغ ہوکر خالد نے پھر دمشق کا رُخ کیا اور دمشق پہنچ کر ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا، محاصرہ اگرچہ حضرت ابوبکر کے عہد میں شروع ہوا لیکن چونکہ فتح حضرت عمر کے عہد میں حاصل ہوئی ہم اس معرکہ کا حال تفصیل سے لکھتے ہیں۔

فتح دمشق

یہ شہر شام کا ایک بڑا صدر مقام تھا، اور چونکہ جاہلیت میں اہل عرب تجارت کے تعلق سے اکثر وہاں آیا جایا کرتے تھے اس کی عظمت کا شہرہ تمام عرب میں تھا۔ ان وجوہ سے خالد نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کے سامان کیے۔ شہر پناہ کے بڑے بڑے دروازوں پر اُن افسروں کو مقرر کیا جو شام کے صوبوں کی فتح پر مامور ہوکر آئے تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاص باب توما پر۔ شرجیل باب الفرادیس پر۔ ابوعبیدہ، باب الجابیہ پر متعین ہوئے۔ اور خود خالد نے پانچ ہزار فوج ساتھ لیکر باب الشرقی کے قریب ڈیرے ڈالے۔ محاصرے کی سختی دیکھ کر عیسائی ہمت ہارے جاتے تھے خصوصاً اسوجہ سے کہ اُن کے جاسوس جو دریافت حال کے لیے مسلمانوں کی فوج میں آتے تھے، آکر دیکھتے تھے کہ تمام فوج میں ایک جوش کا عالم ہے ہر شخص پر ایک نشہ سا چھایا ہوا ہے۔ ہر ہر فرد میں دلیری، ثابت قدمی، راستبازی، عزم اور استقلال پایا جاتا ہے تاہم اُن کو یہ سہارا تھا کہ ہرقل سر پر موجود ہے اور حمص سے امدادی فوجیں چل چکی ہیں۔ اسی اثناء میں حضرت ابوبکر نے انتقال کیا اور حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔

عیسائیوں کو یہ بھی خیال تھا کہ اہل عرب اِن ممالک کی سردی کی برداشت نہیں

کر سکتے۔ اسلیئے موسمِ سرما تک یہ بادل آپ سے آپ چھنٹ جائیگا۔ لیکن اُن کی دونوں اُمیدیں بیکار گئیں۔ مُسلمانوں کی سرگرمی جاڑوں کی شدّت میں بھی کم نہ ہوئی۔ اُدھر خالد نے ذوالکلاع کو کچھ فوج دے کر دمشق سے ایک منزل کے فاصلے پر متعیّن کر دیا تھا کہ اِدھر سے مدد نہ آنے پائے چنانچہ ہرقل نے حمص سے جو فوجیں بھیجیں تھیں وہیں روک لی گئیں۔ دمشق والوں کو اَب بالکل یاس ہوگئی، اِسی اثنا میں اتفّاق سے ایک واقعہ پیش آیا جو مُسلمانوں کے حق میں تائیدِ غیبی کا کام دے گیا۔ یعنی بطریق دمشق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا جس کی تقریب میں تمام شہر نے خوشی کے جلسے کیئے اور اِس کثرت سے شرابیں پیں کہ شام سے پڑکر سو رہے۔ خالد راتوں کو سوتے کم تھے اور محصورین کی ذرا ذراسی بات کی خبر رکھتے تھے اِس سے عمدہ موقع کہاں ہاتھ آسکتا تھا اُسی وقت اُٹھے اور چند بہادر افسروں کو ساتھ لیا۔ شہر پناہ کے نیچے خندق پانی سے لبریز تھی۔ مشک کے سہارے پار اُترے اور کمند کے ذریعے سے دیوار پر چڑھ گئے۔ اُوپر جاکر رسّی کی سیڑھی کمند سے اٹکا کر نیچے لٹکا دی اس ترکیب سے تھوڑی دیر میں بہت سے جان نثار فصیل پر پہنچ گئے۔ خالد نے اُتر کر پہلے دربانوں کو تہ تیغ کیا۔ پھر قفل توڑکر دروازے کھول دیئے۔ اِدھر فوج پہلے سے تیار کھڑی تھی۔ دروازے کھُلنے کے ساتھ سیلاب کی طرح گھس آئی اور پہرہ کی فوج کو تہ تیغ کر دیا، عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھ کر شہر پناہ کے تمام دروازے خود کھول دیئے اور ابو عبیدہ سے ملتجی ہوئے کہ ہم کو خالد سے بچایئے۔ مقسلاط میں جو ٹھٹھیروں کا بازار تھا، ابو عبیدہ و خالد کا سامنا ہوا۔ خالد نے شہر کا جو حصّہ فتح کیا تھا اگرچہ لڑکر فتح کیا تھا لیکن ابو عبیدہ نے چُونکہ صلح منظور کر لی تھی، مفتوحہ حصّے میں بھی صلح کی شرطیں تسلیم کی گئیں یعنی نہ غنیمت کی اجازت دیگئی نہ کوئی شخص لونڈی غلام بنایا گیا۔ یہ مُبارک فتح جو تمام بلادِ شامیہ کی فتح کا دیباچہ تھی رجب سنہ ۱۴ھ (۶۳۵ء) میں ہوئی۔

سلہ یہ طبری کی روایت ہے۔ بلاذری کا بیان ہے کہ خالد کو عیسائیوں کے جشن کی خبر خود ایک عیسائی نے دی تھی اور سیڑھی بھی عیسائی لائے تھے ۱۲

فحل ۔ ذوقعدہ سنہ ۱۴ ہجری ۶۳۵ء

دمشق کی شکست نے رومیوں کو سخت برہم کیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے زور اور قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے آمادہ ہوئے۔ دمشق کی فتح کے بعد چونکہ مسلمانوں نے اردن کا رُخ کیا تھا۔ اس لئے اُنھوں نے اُسی صوبے کے ایک مشہور شہر بیسان میں فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ شہنشاہ ہرقل نے دمشق کی امداد کے لیے جو فوجیں بھیجی تھیں اور دمشق تک نہ پہنچ سکی تھیں۔ وہ بھی اسمیں آکر شامل ہوگئیں۔ اس طرح تیس چالیس ہزار کا مجمع ہوگیا جسکا سپہ سالار سکلار نام ایک رومی افسر تھا۔

موقع جنگ کے سمجھنے کے لئے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ شام کا ملک چھ ضلعوں میں منقسم ہے جن میں سے۔ دمشق۔ حمص۔ اردن۔ فلسطین۔ مشہور اضلاع ہیں۔ اردن کا صدر مقام طبریہ ہے جو دمشق سے چار منزل ہے۔ طبریہ کے شرقی جانب بارہ میل کی لمبی ایک جھیل ہے اسی کے قریب چند میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا جسکا پرانا نام سلا اور نیا یعنی عربی نام فحل ہے یہ لڑائی اسی شہر کے نام سے مشہور ہے یہ مقام اب بالکل ویران ہے تاہم اس کے کچھ کچھ آثار اب بھی سمندر کی سطح سے چھ سو فیٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہیں۔ بیسان طبریہ کی جنوبی طرف ۱۸ میل پر واقع ہے۔

غرض رومی فوجیں بیسان میں جمع ہوئیں اور مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا، رومیوں نے اس ڈر سے کہ مسلمان دفعتہً نہ آپڑیں۔ آس پاس جسقدر نہریں تھیں سب کے بند توڑ دیئے اور فحل سے بیسان تک تمام عالم آب ہوگیا۔ کیچڑ اور پانی کی وجہ سے تمام راستے رُک گئے۔ لیکن اسلام کا سیلاب کب رُک سکتا تھا۔ مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر عیسائی صلح پر آمادہ ہوئے اور ابو عبیدہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر بنکر آئے۔ ابو عبیدہ نے معاذ

بن جبل کو بھیجا، معاذ رومیوں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ خیمے میں دیباے زرّیں کا فرش بچھا ہے وہیں ٹھہر گئے۔ ایک عیسائی نے آکر کہا کہ گھوڑا میں تھام لیتا ہوں، آپ دربار میں جاکر بیٹھئے معاذ کی بزرگی اور تقدّس کا عام چرچا تھا اور عیسائی تک اس سے واقف تھے۔ اس لئے وہ واقعی اُن کی عزّت کرنی چاہتے تھے اور اُنکا باہر کھڑا رہنا اِن کو گراں گزرتا تھا۔ معاذ نے کہا کہ میں اس فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کر تیار ہوا ہے بیٹھنا نہیں چاہتا، یہ کہکر زمین پر بیٹھ گئے عیسائیوں نے افسوس کیا اور کہا کہ ہم تمھاری عزّت کرنی چاہتے تھے لیکن تم کو خود اپنی عزّت کا خیال نہیں تو مجبوری ہے۔ معاذ کو غصّہ آیا۔ گھٹنوں کے بَل کھڑے ہوگئے اور کہا کہ "جسکو تم عزّت سمجھتے ہو مجکو اسکی پروا نہیں۔ اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے بڑھکر کون خدا کا غلام ہو سکتا ہے؟ رومی اِن کی بے پروائی اور آزادی پر حیرت زدہ تھے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے پوچھا کہ مسلمانوں میں تم سے بھی کوئی بڑھکر ہے؟ اُنھوں نے کہا، "معاذ اللہ یہی بہت ہے کہ میں سب سے بدتر نہ ہوں" رومی چپ ہوگئے۔ معاذ نے کچھ دیر تک انتظار کرکے مترجم سے کہا کہ اِن سے کہدو کہ اگر تم کو مجھ سے کچھ کہنا نہیں ہے تو میں واپس جاتا ہوں" رومیوں نے کہا ہم کو یہ پوچھنا ہے کہ تم اس طرف کس غرض سے آئے۔ ابی سینیا کا مُلک تم سے قریب ہے۔ فارس کا بادشاہ مرچکا ہے اور سلطنت ایک عورت کے ہاتھ میں ہے، اِن کو چھوڑکر تم نے ہماری طرف کیوں رُخ کیا؟ حالانکہ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تعداد میں ہم آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذرّوں کے برابر ہیں،، معاذ نے کہا، "سب سے پہلے ہماری یہ درخواست ہے کہ تم مسلمان ہوجاؤ ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھو۔ شراب پینا چھوڑدو۔ سُور کا گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمھارے بھائی ہیں۔ اگر اسلام لانا منظور نہیں تو جزیہ دو۔ اس سے بھی انکار ہو تو آگے تلوار ہے اگر تم آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہم کو قلّت و کثرت کی پروا نہیں۔ ہمارے خدا نے کہا ہے کہ من فیئۃ

قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ تم کو اسپر ناز ہے کہ تم ایسے شاہنشاہ کی رعایا ہو جسکو تمھاری جان و مال کا اختیار ہے، لیکن ہمنے جسکو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے، وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا اگر وہ زنا کرے تو اسکو دُرّے لگائے جائیں۔ چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں۔ وہ پردہ میں نہیں بیٹھتا اپنے آپکو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا مال و دولت میں اسکو ہم پر کوئی ترجیح نہیں۔ رومیوں نے کہا۔ اچھا ہم تم کو بلقاء کا ضلع اور اردن کا وہ حصّہ جو تمھاری زمین سے متصل ہے دیتے ہیں۔ تم یہ ملک چھوڑکر فارس جاؤ۔" معاذ نے انکار کیا اور اُٹھ کر چلے آئے۔ رومیوں نے براہِ راست ابوعبیدہ سے گفتگو کرنی چاہی، چنانچہ اس غرض سے ایک خاص قاصد بھیجا جسوقت وہ پہنچا۔ ابوعبیدہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہاتھ میں تیر تھے جنکو اُلٹ پلٹ کر رہے تھے۔ قاصد نے خیال کیا تھا کہ سپہ سالار بڑا جاہ و حشم رکھتا ہوگا اور یہی اسکی شناخت کا ذریعہ ہوگا۔ لیکن وہ جس طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا تھا سب ایک رنگ میں ڈوبے ہوئے نظر آتے تھے۔ آخر گھبراکر پوچھا کہ تمھارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے ابوعبیدہ کی طرف اشارہ کیا، وہ حیران رہ گیا اور تعجب سے انکی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ ابوعبیدہ نے کہا "ہاں" قاصد نے کہا ہم تمھاری فوج کو فی کس دو دو اشرفیاں دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ۔" ابوعبیدہ نے انکار کیا قاصد برہم ہوکر اُٹھا، ابوعبیدہ نے اُس کے تیور دیکھ کر فوج کو کمربندی کا حکم دیا اور تمام حالات حضرت عمر کو لکھ بھیجے۔ حضرت عمر نے جواب مناسب لکھا اور حوصلہ دلایا کہ "ثابت قدم رہو خدا تمھارا یار اور مددگار ہے۔"

ابوعبیدہ نے اسی دن کمربندی کا حکم دیدیا تھا لیکن رومی مقابلے میں نہ آئے اگلے دن تنہا خالد میدان میں گئے صرف سواروں کا رسالہ رکاب میں تھا، رومیوں نے بھی جنگ

ــــــــــــــــــــــــ

ف فتوح الشام ازدی میں ہے کہ یہ خط ایک شامی لیکر گیا تھا اور حضرت عمر کی تحریر میں [illegible]

کی تیاری کی اور فوج کے تین حصے کرکے باری باری سے میدان میں بھیجے۔ پہلا دستہ خالد کی طرف باگیں اُٹھائے چلا آتا تھا۔ کہ خالد کے اشارے سے قیس بن ہبیرہ نے صف سے نکل کر اُن کا آگا روکا اور سخت کشت وخون ہوا، یہ معرکہ ابھی سر نہیں ہوا تھا کہ دوسری فوج نکلی۔ خالد نے میسرہ بن مسروق کو اشارہ کیا، وہ اپنے رکاب کی فوج لیکر مقابل ہوئے تیسرا لشکر بڑے سروسامان سے نکلا۔ ایک مشہور سردار سپہ سالار تھا اور بڑی تدبیر سے فوج کو بڑھاتا آتا تھا، قریب پہنچکر خود ٹھیر گیا اور ایک افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالد کے مقابلہ پر بھیجا۔ خالد نے یہ حملہ بھی نہایت استقلال سے سنبھالا، آخر سپہ سالار نے خود حملہ کیا اور پہلی دونوں فوجیں بھی آکر مل گئیں دیر تک معرکہ رہا مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھکر رومیوں نے زیادہ لڑنا بیکار سمجھا، اور اُلٹا واپس جانا چاہا۔ خالد نے ساتھیوں کو للکارا کہ رومی اپنا زور صرف کر چکے اب ہماری باری ہے اس صدا کے ساتھ مسلمان دفعۃً ٹوٹ پڑے اور رومیوں کو برابر دباتے چلے گئے۔

عیسائی مدد کے انتظار میں لڑائی ٹالتے جاتے تھے۔ خالد اُن کی یہ چال سمجھ گئے اور ابوعبیدہ سے کہا کہ رومی ہم سے مرعوب ہوچکے ہیں۔ حملے کا یہی وقت ہے، چنانچہ اُسی وقت نقیب فوج میں جاکر پکار آئے کہ کل حملہ ہوگا، فوج سروسامان سے تیار رہے۔ رات کے پچھلے پہر ابوعبیدہ بستر خواب سے اُٹھے اور فوج کی ترتیب شروع کی۔ معاذ بن جبل کو میمنہ پر مقرر کیا۔ ہاشم بن عتبہ کو میسرہ کی افسری دی۔ پیدل فوج پر سعید بن زید متعین ہوئے۔ سوار خالد کی ماتحتی میں دیئے گئے، فوج آراستہ ہوچکی تو حضرت ابوعبیدہ نے اس سرے سے اُس سرے تک ایک چکر لگایا۔ ایک ایک علم کے پاس جاکر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے۔

عباد اللہ استوجبوا من اللہ النصر بالصبر فان اللہ مع الصابرین۔	یعنی "خدا سے مدد چاہتے ہو تو ثابت قدم رہو، کیونکہ خدا ثابت قدموں کے ساتھ رہتا ہے۔"

رومیوں نے جو تقریباً ۵۰ ہزار تھے۔ آگے پیچھے پانچ صفیں قائم کیں جنکی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف میں ہر ہر سوار کے داہنے بائیں دو دو قدر انداز، میمنہ اور میسرہ پر سواروں کے رسالے، پیچھے پیادہ فوجیں۔ اس ترتیب سے نقارہ و دمامہ بجاتے مسلمانوں کی طرف بڑھے خالد چونکہ ہراول پر تھے پہلے انہی سے مقابلہ ہوا۔ رومی قدر اندازوں نے تیروں کا اس قدر مینہ برسایا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا، خالد اُدھر سے پہلو بدل کر میمنہ کی طرف جھکے کیونکہ اُس میں سوار ہی سوار تھے قدر انداز نہ تھے، رومیوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے تھے کہ میمنہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالد پر حملہ آور ہوا، خالد آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے یہاں تک کہ رسالہ۔ فوج سے دور نکل آیا۔ خالد نے موقع پاکر اس زور شور سے حملہ کیا کہ صفیں کی صفیں الٹ دیں گیارہ بڑے بڑے افسر ان کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اُدھر قیس بن ہبیرہ نے میسرہ پر حملہ کر کے رومیوں کا دوسرا بازو بھی کمزور کر دیا۔ تاہم قلب کی فوج تیراندازوں کی وجہ سے محفوظ تھی۔ ہاشم بن عتبہ نے جو میسرہ کے سردار تھے علم ہلا کر کہا "خدا کی قسم جب تک اسکو قلب میں پہنچ کر نہ گاڑ دونگا پھر کر نہ آؤں گا" یہ کہکر گھوڑے سے کود پڑے اور ہاتھ میں سپر لے کر لڑتے بھڑتے اسقدر قریب پہنچ گئے کہ تیر و خدنگ سے گزر کر تیغ و شمشیر کی نوبت آئی۔ کامل گھنٹہ بھر لڑائی رہی اور تمام میدان خون سے رنگین ہو گیا۔ آخر رومیوں کے پانوں اکھڑ گئے اور نہایت بدحواسی سے بھاگے[1]۔ ابوعبیدہ نے حضرت عمر کو نامۂ فتح لکھا اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت عمر نے جواب میں لکھا کہ "رعایا ذمی قرار دیجائے اور زمین بدستور زمینداروں کے قبضے میں چھوڑ دیجائے۔"

اس معرکے کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے

[1] واقعہ فحل کی تفصیل فتوح الشام ازدی سے لیگئی ہے طبری وغیرہ میں اسکو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے اور واقعہ کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے

اور ہر جگہ شرائط صلح میں یہ لکھ دیا گیا کہ مفتوحین کی جان و مال، زمین، مکانات گرجے، عبادتگاہیں سب محفوظ رہینگی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لئے کسی قدر زمین لے لیجائیگی۔

حمص سنہ ۱۴ ہجری ۶۳۵ء

شام کے اضلاع میں سے یہ ایک بڑا ضلع اور قدیم شہر ہے۔ انگریزی میں اسکو امیسا کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اسکی شہرت زیادہ اسوجہ سے ہوئی کہ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بڑا ہیکل تھا۔ جسکے تیرتھ کے لئے دُور دُور سے لوگ آتے تھے اور اسکا پجاری ہونا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق اور اردن کے بعد تین بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے جن کا مفتوح ہونا شام کا مفتوح ہونا تھا۔ بیت المقدس۔ حمص۔ اور انطاکیہ جہاں خود ہرقل مقیم تھا۔ حمص ان دونوں کی نسبت زیادہ قریب اور جمعیت و سامان میں دونوں سے کم تھا، اس لئے لشکر اسلام نے اول اسی کا ارادہ کیا، راہ میں بعلبک پڑتا تھا، وہ خفیف سی لڑائی کے بعد فتح ہوگیا۔ حمص کے قریب رومیوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا چنانچہ ایک فوج کثیر حمص سے نکل کر جوسیہ میں مسلمانوں سے مقابل ہوئی لیکن خالد کے پہلے ہی حملہ میں اُن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ خالد نے سبرہ بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حمص کو روانہ کیا۔ راہ میں رومیوں کی ٹوٹی پھوٹی فوجوں سے جو اِدھر اُدھر پھیلی ہوئی تھیں مٹ بھیڑ ہوئی اور مسلمان کامیاب رہے۔

اس معرکے میں شرجیل حمیری نے اکیلے سات سواروں کو قتل کیا۔ اور فوج سے الگ ہو کر جریدہ حمص کی طرف بڑھے، شہر کے قریب رومیوں کے ایک رسالے نے انکو تنہا دیکھکر حملہ کیا، انھوں نے بڑی ثابت قدمی سے جنگ کی، یہاں تک کہ جب دس گیارہ شخص ان کے

ہاتھ سے مارے گئے تو رومی بھاگ نکلے اور ایک گرجا میں جو دیر مسحل کے نام سے مشہور تھا جا کر
پناہ لی۔ ساتھ ہی یہ بھی پہنچے۔ گرجا میں ایک جماعت کثیر موجود تھی یہ چاروں طرف سے گھر
گئے اور ڈھیلوں اور پتھروں کی بوچھاڑ میں زخمی ہو کر شہادت حاصل کی۔ میسرہ کے بعد خالد
اور ابو عبیدہ نے بھی حمص کا رُخ کیا اور محاصرہ کے سامان پھیلا دیئے، چونکہ نہایت شدت کی
سردی تھی رومیوں کو یقین تھا کہ مسلمان کھلے میدان میں دیر تک نہ لڑ سکیں گے اس کے
ساتھ ہرقل کا قاصد آچکا تھا کہ بہت جلد مدد بھیجی جاتی ہے، چنانچہ اُس حکم کے موافق جزیرہ سے
ایک جمعیت عظیم روانہ بھی ہوئی، لیکن سعد بن ابی وقاص نے جو عراق کی مہم پر مامور تھے
یہ خبر سُن کر کچھ فوجیں بھیجدیں جس نے اُن کو وہیں روک لیا اور آگے بڑھنے نہ دیا۔ حمص والوں
نے ہر طرف سے مایوس ہو کر صلح کی درخواست کی، ابو عبیدہ نے عبادہ بن صامت کو وہاں
چھوڑا اور خود حماۃ[2] کی طرف روانہ ہوئے حماۃ والوں نے ان کے پہنچنے کے ساتھ صلح کی
درخواست کی اور جزیہ دینا منظور کیا، وہاں سے روانہ ہو کر شیزر اور شیزر سے معرۃ النعمان
پہنچے اور ان مقامات کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کر لی، ان سے فارغ ہو کر لاذقیہ کا
رُخ کیا، یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے فینشین عہد میں اسکو مانتا کہتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ نے
یہاں سے کچھ فاصلے پر مقام کیا اور اسکی مضبوطی اور استواری دیکھ کر ایک نئی تدبیر اختیار
کی یعنی میدان میں بہت سے غار کھدوائے۔ یہ غار اس تدبیر اور احتیاط سے تیار ہوئے کہ
دشمنوں کو خبر تک نہ ہونے پائی۔ ایک دن فوج کو کوچ کا حکم دیا اور محاصرہ چھوڑ کر حمص کی طرف
روانہ ہوئے، شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آگئے تھے اور ان کا تمام کاروبار
بند تھا، اسکو تائید غیبی خیال کیا اور شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہوئے

[1] کامل ابن الاثیر ۲ [2] یہ ایک قدیم شہر حمص اور قنسرین کے درمیان میں واقع ہے۔

مسلمان اسی رات کو واپس آکر غاروں میں چھپ رہے تھے۔ صبح کے وقت کمین گاہوں سے نکل کر دفعتہً حملہ کیا اور دم کی دم میں شہر فتح ہو گیا۔ حمص کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے خاص ہرقل کے پائے تخت کا ارادہ کیا اور کچھ فوجیں اس طرف بھیج بھی دیں لیکن دربارِ خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال اور آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس ارشاد کے موافق فوجیں واپس بلا لی گئیں[1]۔ اور بڑے بڑے شہروں میں افسر اور نائب بھیج دیئے گئے کہ وہاں کسی طرح کی ابتری نہ ہونے پائے۔ خالد ایک ہزار فوج کے ساتھ دمشق کو گئے۔ عمرو بن العاص نے اردن میں مقام کیا۔ ابو عبیدہ نے خود حمص میں اقامت کی۔

یرموک۔ ۵ رجب ۱۵ھ

رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق و حمص وغیرہ سے نکلے تھے۔ انطاکیہ پہنچے اور ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا، ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ عرب تم سے زور میں، جمعیت میں، سر و سامان میں کم ہیں، پھر تم ان کے مقابلہ میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے، اس پر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کی کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں، وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ آپس میں ایک ایک سے برابری کے ساتھ ملتا ہے۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، اقرار کی پابندی نہیں کرتے، اوروں پر ظلم کرتے ہیں، اسکا یہ اثر ہے کہ انکے ہر کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ قیصر درحقیقت

[1] فتوح ازدی صفحہ ۱۳۱۔

شام سے نکلجانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے۔ قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ آمادہ ہوا کہ شہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلے میں صرف کر دیا جائے۔ روم۔ قسطنطنیہ جزیرہ آرمینیہ ہر جگہ احکام بھیجے گئے تمام فوجیں پائے تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں۔ تمام اضلاع کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ جسقدر آدمی جہاں سے مہیا ہو سکیں روانہ کیے جائیں' ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان اُمنڈ آیا' انطاکیہ کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا۔

حضرت ابو عبیدہ نے جو مقامات فتح کر لیے تھے وہاں کے اُمرا اور رئیس اُن کے عدل و انصاف کے اسقدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود مخالف مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کے لیے جاسوس مقرر کر رکھے تھے' چنانچہ اُن کے ذریعے سے حضرت ابو عبیدہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ اُنھوں نے تمام افسروں کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک پُر اثر تقریر کی جسکا خلاصہ یہ تھا کہ مُسلمانو! خدا نے تم کو بار بار جانچا اور تم اُسکی جانچ میں پورے اُترے۔ چنانچہ اُس کے صلے میں خدا نے ہمیشہ تمکو مظفر و منصور رکھا۔ اب تمہارا دشمن اِس سر و سامان سے تمہارے مقابلے کے لیئے چلا ہے کہ زمین کانپ اُٹھی ہے اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟ یزید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) کھڑے ہوئے اور کہا کہ میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں' اسکے ساتھ خالد اور عمرو بن العاص کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں۔ شرحبیل بن حسنہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہیئے' یزید نے جو رائے دی بے شبہہ خیر خواہی سے دی لیکن میں اس کا مخالف ہوں۔ شہر والے تمام عیسائی ہیں ممکن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ کر

قیصر کے حوالے کردیں یا خود مار ڈالیں۔ حضرت ابوعبیدہ نے کہا اسکی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں، **شرجیل** نے اٹھکر کہا ای امیر! تجکو ہرگز یہ حق حاصل نہیں۔ ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں، اسلئے نقض عہد کیونکر ہوسکتا ہے۔ حضرت ابوعبیدہ نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ لیکن یہ بحث طے نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے؟ عام حاضرین نے رائے دی کہ حمص میں ٹھہرکر۔ امدادی فوج کا انتظام کیا جائے" ابوعبیدہ نے کہا اتنا وقت کہاں ہے؟ آخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص چھوڑکر دمشق روانہ ہوں، وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ یہ ارادہ مصمم ہوچکا تو حضرت ابوعبیدہ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسر خزانہ تھے بلاکر کہا کہ "عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اس معاوضہ میں لیا جاتا ہے کہ ہم انکو ان کے دشمنوں سے بچاسکیں۔ لیکن اسوقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم انکی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھاسکتے اس لیئے جوکچھ ان سے وصول ہوا ہے سب انکو واپس دیدو اور ان سے کہدو کہ ہکو تمھارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے لیکن چونکہ اسوقت تمھاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوسکتے اس لیئے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تمکو واپس کیا جاتا ہے"۔ چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کل واپس کردی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اسقدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے" یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا، انھوں نے کہا توریت کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کرسکتا، یہ کہکر شہر پناہ کے دروازے بند کردیئے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھادیا۔

ابوعبیدہ نے صرف حمص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جسقدر اضلاع فتح ہوچکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جسقدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کردیجائے[1]

[1] ان واقعات کو بلاذری نے فتوح البلدان (صفحہ ۱۳۷) میں قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں (صفحہ ۸۱) ازدی نے فتوح الشام (صفحہ ۱۳۸) میں تفصیل لکھا ہے ۱۲

غرض ابو عبیدہ، دمشق کو روانہ ہوئے[۱] اور ان تمام حالات سے حضرت عمر کو اطلاع دی۔ حضرت عمر یہ سن کر کہ مسلمان رومیوں کے ڈر سے حمص سے چلے آئے نہایت رنجیدہ ہوئے لیکن جب اُن کو یہ معلوم ہوا کہ کل فوج اور افسران فوج نے یہی فیصلہ کیا تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ "خدا نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانوں کو اس رائے پر متفق کیا ہوگا"۔ ابو عبیدہ کو جواب لکھا کہ "میں مدد کے لئے سعید بن عامر کو بھیجتا ہوں لیکن فتح و شکست فوج کی قلت و کثرت پر نہیں ہے"

ابو عبیدہ نے دمشق پہنچکر تمام افسروں کو جمع کیا اور اُن سے مشورت کی۔ یزید بن ابی سفیان۔ شرحبیل بن حسنہ۔ معاذ بن جبل سب نے مختلف رائیں دیں۔ اسی اثنا میں عمرو بن العاص کا قاصد خط لے کر پہنچا۔ جسکا یہ مضمون تھا کہ اردن کے اضلاع میں عام بغاوت پھیل گئی ہے۔ رومیوں کی آمد آمد نے سخت تہلکہ ڈال دیا ہے اور حمص کو چھوڑ کر چلا آنا نہایت بے رعبی کا سبب ہوا ہے۔ ابو عبیدہ نے جواب میں لکھا کہ حمص کو ہم نے ڈر کر نہیں چھوڑا بلکہ مقصود یہ تھا کہ دشمن محفوظ مقامات سے نکل آئے اور اسلامی فوجیں جو جابجا پھیلی ہوئی ہیں یکجا ہو جائیں۔ خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ٹلو، میں وہیں آکر تم سے ملتا ہوں۔

دوسرے دن ابو عبیدہ دمشق سے روانہ ہو گئے اور اردن کی حدود میں یرموک پہنچکر قیام کیا۔ عمرو بن العاص بھی یہیں آکر ملے۔ یہ موقع جنگ کی ضرورتوں کے لئے اس لحاظ سے مناسب تھا کہ عرب کی سرحد بہ نسبت اور تمام مقامات کے یہاں سے قریب تھی، اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا جس سے یہ موقع حاصل تھا کہ ضرورت پر جہاں تک چاہیں پیچھے ہٹتے جائیں۔ حضرت عمر نے سعید بن عامر کے ساتھ جو فوج روانہ کی تھی وہ ابھی نہیں پہنچی تھی۔ اُدھر رومیوں کی آمد اور اُن کے سامان کا حال سن سن کر مسلمان گھبرائے جاتے تھے۔ ابو عبیدہ نے حضرت

[۱] یہ تمام تفصیل واقعات فتوح الشام ازدی سے لیے ہیں لیکن ابو عبیدہ کا حمص چھوڑ کر دمشق چلا آنا ابن واضح عباسی اور دیگر مورخین نے بھی بیان کیا ہے ۱۲

عمر کے پاس ایک اور قاصد دوڑا آیا اور لکھا کہ رومی بحر و بر سے اُبل پڑے ہیں اور جوش کا یہ حال ہے کہ فوج جس راہ سے گزرتی ہے، راہب۔ اور خانقاہ نشین۔ جنھوں نے کبھی خلوت سے قدم باہر نہیں نکالا تھا نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں۔ خط پہنچا تو حضرت عمر نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سنایا، تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور نہایت جوش کے ساتھ پکار کر کہا کہ "امیر المؤمنین! خدا کے لیے ہمکو اجازت دے کہ ہم اپنے بھائیوں پر جا کر نثار ہو جائیں خدانخواستہ اُن کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے" مہاجرین و انصار کا جوش برابر بڑھتا جاتا تھا یہاں تک کہ عبد الرحمن بن عوف نے کہا کہ "امیر المومنین! تو خود سپہ سالار بن اور ہمکو ساتھ لے کر چل" لیکن اور صحابہ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور رائے یہ ٹھہری کہ اور امدادی فوجیں بھیجی جائیں حضرت عمر نے قاصد سے دریافت کیا کہ دشمن کہاں تک آ گئے ہیں۔ اُس نے کہا یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے" حضرت عمر نہایت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ افسوس اب کیا ہو سکتا ہے! اتنے عرصہ میں کیونکر مدد پہنچ سکتی ہے؟ ابو عبیدہ کے نام نہایت پُرتاثیر الفاظ میں ایک خط لکھا اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف میں جا کر یہ خط سنانا اور زبانی کہنا کہ ان عمر یقرئک السلام ویقول لکم یا اہل الاسلام اصدقوا اللقاء وشدوا علیہم شد اللیوث۔ ولیکونوا اھون علیکم من الذر فانا قد کنا علمنا انکم علیہم منصورون۔

یہ عجیب حسنِ اتفاق ہوا کہ جس دن قاصد۔ ابو عبیدہ کے پاس آیا اُسی دن عامر بھی ہزار آدمی کے ساتھ پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو نہایت تقویت ہوئی۔ اور اُنھوں نے نہایت استقلال کے ساتھ لڑائی کی تیاریاں شروع کیں، رومی فوجیں یرموک کے مقابل دیر الجبل میں اُتریں خالد نے لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ معاذ بن جبل کو جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے میمنہ پر مقرر کیا۔ قباث بن اشیم کو میسرہ اور ہاشم بن عتبہ کو پیدل فوج کی افسری دی، اپنے رکاب کی فوج

کے چار حصے کیے۔ ایک کو اپنی رکاب میں رکھا، باقی پر قیس بن ہبیرہ۔ میسرہ بن مسروق۔ عمرو بن الطفیل کو مقرر کیا، یہ تینوں بہادر تمام عرب میں انتخاب تھے اور اسوجہ سے فارس العرب کہلاتے تھے، رومی بھی بڑے سر و سامان سے نکلے۔ دو لاکھ سے زیادہ کی جمعیت تھی اور ۲۴ صفیں تھیں جنکے آگے آگے اُن کے مذہبی پیشوا ہاتھوں میں صلیبیں لیئے جوش دلاتے جاتے تھے، فوجیں بالکل مقابل آگئیں تو ایک بطریق صف چیر کر نکلا اور کہا کہ میں تنہا لڑنا چاہتا ہوں۔ میسرہ بن مسروق نے گھوڑا بڑھایا مگر چونکہ حریف نہایت تنومند اور جوان تھا خالد نے روکا اور قیس بن ہبیرہ کی طرف دیکھا وہ یہ اشعار پڑھتے بڑھے۔

سائل نساء الحی فی حجالها — الست یوم الحرب من ابطالها

پردہ نشین عورتوں سے پوچھ لو — کیا میں لڑائی کے دن بہادروں کے کام نہیں کرتا

قیس اس طرح جھپٹ کر پہنچے کہ بطریق ہتھیار بھی نہیں سنبھال چکا تھا کہ اُن کا وار چل گیا، تلوار سر پر پڑی اور خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک اُتر آئی۔ بطریق ڈگمگا کر گھوڑے سے گرا ساتھ ہی مسلمانوں نے تکبیر کا نعرہ مارا۔ خالد نے کہا شگون اچھا ہوا، اور اب خدا نے چاہا تو آگے فتح ہے۔ عیسائیوں نے خالد کے ہمرکاب افسروں کے مقابلہ میں جدا جدا فوجیں متعین کی تھیں، لیکن سب نے شکست کھائی، اُس دن یہیں تک نوبت پہنچکر لڑائی ملتوی رہ گئی۔

رات کو **باہان** نے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت و نعمت کا مزہ پڑ چکا، بہتر یہ ہے کہ مال و زر کی طمع دلا کر انکو یہاں سے ٹالا جائے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ دوسرے دن ابو عبیدہ کے پاس قاصد بھیجا کہ کسی معزز افسر کو ہمارے پاس بھیجدو، ہم اس سے صلح کے متعلق گفتگو کرنی چاہتے ہیں، ابو عبیدہ نے خالد کو انتخاب کیا، قاصد جو پیغام لیکر آیا اسکا نام جارج تھا، جسوقت وہ پہنچا شام ہو چکی تھی ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی۔ مسلمان جس ذوق شوق سے تکبیر کہکر کھڑے

ہوئے اور جس محویت، سکون و وقار، ادب و خضوع سے انھوں نے نماز ادا کی۔ قاصد نہایت حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اُس نے ابو عبیدہ سے چند سوالات کیے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ تم عیسےٰ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ابو عبیدہ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔ یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسے ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم۔ لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للہ ولا الملائکۃ المقربون۔ مترجم نے ان الفاظ کا ترجمہ کیا، تو جارج بے اختیار پکار اُٹھا کہ بے شک عیسےٰ کے یہی اوصاف ہیں اور بیشک تمھارا پیغمبر سچا ہے‘‘ یہ کہکر اُس نے کلمۂ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بد عہدی کا گمان نہ ہو مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائیگا اُس کے ساتھ چلے آنا۔

دوسرے دن خالد رومیوں کی لشکر گاہ میں گئے۔ رومیوں نے اپنی شوکت دکھانے کے لئے پہلے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں جانب دُور تک سواروں کی صفیں قائم کی تھیں جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے۔ لیکن خالد اس بے پروائی اور تحقیر کی نگاہ سے اُنپر نظر ڈالتے جاتے تھے جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے۔ باہان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اُس نے نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا، اور لاکر اپنے برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ باہان نے معمولی بات چیت کے بعد لکچر کے طریقے پر تقریر شروع کی، حضرت عیسےٰ کی تعریف کے بعد۔ قیصر کا نام لیا اور فخر سے کہا کہ ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ مترجم اِن الفاظ کا پورا ترجمہ نہیں کر چکا تھا کہ خالد نے باہان کو روک دیا اور کہا کہ تمھارا بادشاہ ایسا ہی ہوگا لیکن ہم نے جسکو سردار بنا رکھا ہے اُسکو

ایک لحظہ کے لیئے اگر بادشاہی کا خیال آئے تو ہم فوراً اُسکو معزول کردیں، باہان نے پھر تقریر شروع کی اور اپنے جاہ و دولت کا فخر بیان کرکے کہا کہ "اہلِ عرب! تمہاری قوم کے جو لوگ ہمارے ملک میں آکر آباد ہوئے ہم نے ہمیشہ اُن کے ساتھ دوستانہ سلوک کیئے، ہمارا خیال تھا کہ اس مراعات کا تمام عرب ممنون ہوگا، لیکن خلافِ توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دو، تمکو معلوم نہیں کہ بہت سی قوموں نے بارہا ایسے ارادے کیئے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئیں، اب تمکو کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم جاہل، وحشی، اور بے سروسامان نہیں یہ حوصلہ ہوا ہے، ہم اسپر بھی درگزر کرتے ہیں بلکہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کی طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور افسروں کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو سو سو دینار دلائیے جائیں گے"۔

باہان اپنی تقریر ختم کرچکا تو خالدؓ اٹھے اور حمد و نعت کے بعد کہا کہ بے شبہہ تم دولتمند ہو، مالدار ہو، صاحبِ حکومت ہو، تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی ہمکو معلوم ہے لیکن یہ تمہارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ اشاعتِ مذہب کی ایک تدبیر تھی جسکا یہ اثر ہوا کہ وہ عیسائی ہوگئے اور آج خود ہمارے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہوکر ہم سے لڑتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم نہایت محتاج، تنگدست اور خانہ بردوش تھے۔ ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قوی کمزور کو پیس ڈالتا تھا، قبائل آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہوتے جاتے تھے۔ بہت سے خدا بنا رکھے تھے، اور اُنکو پوجتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے بت تراشتے تھے اور اُسکی عبادت کرتے تھے لیکن خدا نے ہمپر رحم کیا۔ اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا اور ہم میں سب سے زیادہ شریف، زیادہ فیاض، زیادہ پاک خو تھا اُس نے ہمکو توحید سکھلائی اور بتا دیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں، وہ بیوی اور اولاد نہیں رکھتا۔ اور بالکل یکتا و یگانہ ہے" اُس نے ہمکو یہ بھی حکم دیا کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں جسنے اُن کو مانا وہ مسلمان ہے اور ہمارا بھائی ہے جسنے نہ مانا لیکن جزیہ دینا قبول کرتا ہے

اُس کے ہم حامی اور محافظ ہیں، جسکو دونوں سے انکار ہو اُس کے لیئے تلوار ہے۔

باہان نے جزیہ کا نام سُن کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ مر کر بھی جزیہ نہ دیں گے۔ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں۔ غرض کوئی معاملہ طے نہیں ہوا اور خالد اُٹھ کر چلے آئے۔ اب اُس اخیر لڑائی کی طیاریاں شروع ہوئیں جسکے بعد رُومی پھر کبھی سنبھل نہ سکے خالد کے چلے آنے کے بعد۔ باہان نے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ تم نے سُنا۔ اہل عرب کو دعوٰے ہے کہ جب تک تم اُنکی رعایا نہ بن جاؤ اُن کے حملہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ تمکو اُنکی غلامی منظور ہے؟ تمام افسروں نے بڑے جوش سے کہا کہ ہم مر جائیں گے مگر یہ ذلت گوارا نہیں ہو سکتی۔

صبح ہوئی تو رُومی اِس جوش اور سروسامان سے نکلے کہ مُسلمانوں کو بھی حیرت ہو گئی۔ خالد نے یہ دیکھکر عرب کے عام قاعدے کے خلاف نئے طور سے فوج آرائی کی۔ فوج جو ۳۰ - ۳۵ ہزار تھی اُس کے ۳۶ حصّے کیئے اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ اسی قدر صفیں قائم کیں۔ قلب فوج ابو عبیدہ کو دیا، میمنہ پر عمرو بن العاص اور شرجیل مامور ہوئے۔ میسرہ یزید بن ابی سفیان کی کمان میں تھا۔ اِن کے علاوہ ہر صف پر الگ الگ جو افسر متعین کیئے چُن کر اُن لوگوں کو کیا جو بہادری اور فنونِ جنگ میں شہرتِ عام رکھتے تھے۔ خُطبا۔ جو اپنے زور کلام سے لوگوں میں ہل چل ڈال دیتے تھے اس خدمت پر مامور ہوئے کہ پُر جوش تقریروں سے فوج کو جوش دلائیں انھیں میں ابو سفیان بھی تھے جو فوجوں کے سامنے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے اللہ۔ انکم زادۃ العرب وانصار الاسلام۔ و انھم زادۃ الروم وانصار الشرک۔ اللھم ان ھذا یوم من ایامک اللھم انزل نصرک علی عبادک عمرو بن العاص کہتے پھرتے تھے۔

ایھا الناس غضوا ابصارکم واشرعوا الرماح والزموا مراکزکم فاذا حمل عدوکم فامھلوا	یارو! نگاہیں نیچی رکھو برچھیاں تان لو اپنی جگہ پر جمے رہو۔ پھر جب دشمن حملہ آور ہوں تو آنے دو۔

هم حتى اذا ركبوا اطراف الاسنة	یہاں تک کہ جب برچھیوں کی نوک پر آجائیں تو شیر کی
فنبوا فی وجوههم وثوب الاسل	طرح ان پر ٹوٹ پڑو۔

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی ۳۰ - ۳۵ ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے۔ لیکن تمام عرب میں انتخاب تھے۔ اِن میں سے خاص وہ بزرگ جنھوں نے رسول اللہ کا جمالِ مبارک دیکھا تھا ایک ہزار تھے۔ سو بزرگ وہ تھے جو جنگ بدر میں رسول اللہ کے ہمرکاب رہے تھے۔ عرب کے مشہور قبائل میں سے دس ہزار سے زیادہ صرف ازد کے قبیلے کے تھے۔ حمیر کی ایک بڑی جماعت تھی۔ ہمدان۔ خولان۔ لخم جذام وغیرہ کے مشہور سردار تھے، اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اسمیں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں، امیر معاویہ کی ماں ہندہ حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں تو پکارتی تھیں عضدوا الغلفان بسیوفکم امیر معاویہ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔

مقداد جو نہایت خوش آواز تھے۔ فوج کے آگے آگے سورہ انفال (جسمیں جہاد کی ترغیب ہے) تلاوت کرتے جاتے تھے۔

اُدھر رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لیں کہ ہٹنے کا خیال تک نہ آئے جنگ کی ابتدا رومیوں کی طرف سے ہوئی۔ دولاکھ کا ٹڈی دل ایک ساتھ بڑھا ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لیے آگے تھے اور حضرت عیسے کی جے پکارتے آتے تھے۔ یہ سروسامان دیکھ کر ایک شخص کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ اللہ اکبر کس قدر بے انتہا فوج ہے"! خالد نے جھلا کر کہا چپ رہ - خدا کی قسم میرے گھوڑے کے سُم اچھے ہوتے تو میں کہدیتا کہ" عیسائی اتنی ہی فوج اور بڑھالیں"

غرض عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا، اور تیروں کا مینھ برساتے بڑھے مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ اس زور کا تھا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہوگیا، اور

نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ ہزیمت یافتہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ گاہ تک آ گئے۔ عورتوں کو یہ حالت دیکھکر سخت غصہ آیا، اور خیمہ کی چوبیں اُکھاڑلیں اور پکاریں کہ نامردو! اِدھر آئے تو چوبوں سے تمہارا سر توڑ دیں گے،" خولہ یہ شعر پڑھکر لوگوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

یا ھاربا عن نسوۃ تقیات ۔۔۔ رُمیت بالسھم والمنیات

یہ حالت دیکھ کر معاذ بن جبل جو میمنہ کے ایک حصّے کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کود پڑے اور کہا کہ میں تو پیدل لڑتا ہوں لیکن کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے۔ اُن کے بیٹے نے کہا "ہاں۔ یہ حق میں ادا کروں گا، کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں، غرض دونوں باپ بیٹے فوج میں گھسے اور اس دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اُکھڑے پاؤں پھر سنبھل گئے۔ ساتھ ہی حجاج جو قبیلہ زبید کے سردار تھے پانسو آدمی لے کر بڑھے اور عیسائیوں کا جو مسلمانوں کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے آگا روک لیا۔ میمنہ میں قبیلہ ازد شروع حملہ سے ثابت قدم رہا تھا، عیسائیوں نے لڑائی کا سارا زور اُن پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے جنگ کی یہ شدت تھی کہ فوج میں ہر طرف، سر، ہاتھ، بازو کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے لیکن ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوتی تھی۔ عمرو بن الطفیل جو قبیلہ کے سردار تھے تلوار مارتے جاتے تھے اور للکارتے جاتے تھے کہ "ازدیو! دیکھنا۔ مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے داغ نہ آئے"۔ نو بڑے بڑے بہادر اُن کے ہاتھ سے مارے گئے اور آخر خود شہادت حاصل کی۔

حضرت خالد نے اپنی فوج کو پیچھے لگا رکھا تھا۔ دفعتہً صف چیر کر نکلے اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کی صفیں ابتر کر دیں۔ عکرمہ نے جو ابوجہل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے اکثر کفار کے ساتھ رہ کر لڑے تھے، گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا "عیسائیو! میں کسی زمانے میں (کفر کی حالت میں) خود رسول اللہ سے لڑ چکا ہوں۔ کیا آج تمہارے مقابلے میں میرا پاؤں پیچھے پڑ سکتا ہے؟

یہ کہکر فوج کی طرف دیکھا اور کہا مرنے پر کون بیعت کرتا ہے؟ چار شخصوں نے جن میں ضرار بن ازور بھی تھے مرنے پر بیعت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قریباً سب کے سب وہیں کٹ کر رہ گئے عکرمہ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی - کچھ کچھ دم باقی تھا - خالد نے اپنے زانو پر اُن کا سر رکھا اور گلے میں پانی ٹپکا کر کہا "خدا کی قسم عمرؓ کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہوکر نہ مریں گے"

غرض عکرمہ اور اُن کے ساتھی گو خود ہلاک ہو گئے لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی برباد کر دیئے خالد کے حملوں نے اَور بھی اُن کی طاقت توڑ دی یہاں تک کہ آخر اُن کو پیچھے ہٹنا پڑا اور خالد اُنکو دباتے ہوئے سپہ سالار (درنجار) تک پہنچ گئے - درنجار اور رومی افسروں نے آنکھوں پر رومال ڈال لیئے کہ "اگر یہ آنکھیں فتح کی صورت نہ دیکھ سکیں تو شکست بھی نہ دیکھیں"

عین اُسوقت جب ادھر میمنہ میں بازار قتال گرم تھا ابن قناطیر[1] نے میسرہ پر حملہ کیا - بدقسمتی سے اس حصے میں اکثر لخم وغسان کے قبیلہ کے آدمی تھے جو شام کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے اور ایک مدت سے روم کے باجگزار رہتے آتے تھے - رومیوں کا رعب جو دلوں میں سمایا ہوا تھا اُسکا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملہ میں اُن کے پاؤں اکھڑ گئے - اور اگر افسروں سے بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمہ ہوچکا ہوتا - رومی - بھاگتوں کا پیچھا کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے - عورتیں یہ حالت دیکھکر بے اختیار نکل پڑیں اور اُن کی پامردی نے عیسائیوں کو آگے بڑھنے سے روکدیا - فوج اگرچہ ابتر ہوگئی تھی لیکن افسروں میں سے قباث بن اشیم - سعید بن زید - یزید بن ابی سفیان - عمرو بن العاص - شرجیل بن حسنہ داد شجاعت دے رہے تھے قباث کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے مگر اُن کے تیور پر بل نہ آتا تھا نیزہ ٹوٹ کر گرتا تو کہتے کہ کوئی ہے؟ جو اُس شخص کو ہتیار دے جسنے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدان جنگ

[1] تاریخ طبری واقعہ یرموک صفحہ ۲۰۹۵ رومیوں کے میمنہ کا سپہ سالار تھا ۱۲

سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا"۔ لوگ فوراً تلوار یا نیزہ اُن کے ہاتھ میں لاکر دیدیتے اور پھر وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے تھے۔ ابوالاعور۔ گھوڑے سے کود پڑے اور اپنے رکاب کی فوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ "صبر و استقلال دنیا میں عزت ہے اور عقبےٰ میں رحمت، دیکھنا یہ دولت ہاتھ سے نہ جانے پائے"، سعید بن زید غصہ میں گھٹنے ٹیکے ہوئے کھڑے تھے۔ رومی اُن کی طرف بڑھے تو شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار کر گرا دیا۔ یزید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) بڑی ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے، اتفاق سے اُن کے باپ ابوسفیان جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے اُنکی طرف آنکلے۔ بیٹے کو دیکھکر کہا "جانِ پدر! اسوقت میدان میں ایک ایک سپاہی۔ شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے۔ تو سپہ سالار ہے اور سپاہیوں کی بہ نسبت تجھ پر شجاعت کا زیادہ حق ہے، تیری فوج میں سے ایک سپاہی بھی اِس میدان میں تجھ سے بازی لے گیا تو تیرے لیئے شرم کی جگہ ہے"۔ شرجیل کا یہ حال تھا کہ رومیوں کا چاروں طرف سے نرغہ تھا اور یہ بیچ میں پہاڑ کی طرح ڈٹے کھڑے تھے۔ قرآن کی یہ آیت اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ۔ پڑھتے تھے اور نعرہ مارتے تھے کہ "خدا کے ساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں؟" یہ آواز جسکے کان میں پڑی بے اختیار لوٹ پڑا یہاں تک کہ اُکھڑی ہوئی فوج پھر سنبھل گئی اور شرجیل نے اُن کو لے کر اس بہادری سے جنگ کی کہ رومی جو ٹوٹے چلے آتے تھے بڑھنے سے رُک گئے۔

اُدھر عورتیں خیموں سے نکل نکل کر فوج کی پُشت پر آکھڑی ہوئیں اور چلّا کر کہتی تھیں کہ "میدان سے قدم ہٹایا تو پھر ہمارا مُنہ نہ دیکھنا"۔

لڑائی کے دونوں پہلو اب تک برابر تھے۔ بلکہ غلبہ کا پلّہ رومیوں کی طرف تھا۔ دفعتہً قیس ابن ہبیرہ جنکو خالد نے فوج کا ایک حصہ دیکر میسرہ کی پُشت پر متعین کر دیا تھا۔ عقب سے نکلے

اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ رومی سرداروں نے بہت سنبھالا مگر فوج سنبھل نہ سکی تمام صفیں ابتر ہو گئیں اور گھبرا کر پیچھے ہٹیں۔ ساتھ ہی سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کیا، رومی دور تک ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ میدان کے سرے پر جو نالہ تھا اُس کے کنارے تک آ گئے تھوڑی دیر میں اُنکی لاشوں نے وہ نالہ بھر دیا اور میدان خالی ہو گیا۔

اس لڑائی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جسوقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ حباش بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ اسی اثنا میں کسی نے اُن کے پاؤں پر تلوار ماری اور ایک پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا۔ حباش کو خبر تک نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ میرا پاؤں کیا ہوا؟ اُن کے قبیلے کے لوگ اس واقعہ پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ چنانچہ سوار بن اوفی ایک شاعر نے کہا۔

[۱] ومنا ابن عتاب وناشد رجله   ومنا اللذی ادی الی الحی حاجبا

رومیوں کے جسقدر آدمی مارے گئے۔ اُنکی تعداد میں اختلاف ہے۔ طبری اور ازدی نے لاکھ سے زیادہ تعداد بیان کی ہے۔ بلاذری نے ستر ہزار لکھا ہے۔ مسلمانوں کی طرف تین ہزار کا نقصان ہوا جن میں ضرار بن ازور، ہشام بن العاصی، ابان، سعید وغیرہ تھے۔ قیصر انطاکیہ میں تھا کہ شکست کی خبر پہنچی۔ اُسیوقت قسطنطنیہ کی تیاری کی۔ چلتے وقت شام کی طرف رخ کر کے کہا "الوداع ای شام"۔

ابو عبیدہ نے حضرت عمرؓ کو نامۂ فتح لکھا۔ اور ایک مختصر سی سفارت بھیجی جسمیں حذیفہ بن الیمان بھی تھے۔ حضرت عمرؓ یرموک کی خبر کے انتظار میں کئی دن سے سوئے نہ تھے۔ فتح کی خبر پہنچی تو دفعتًہ سجدے میں گر پڑے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

---

[۱] یہ تمام واقعہ فتوح البلدان صفحہ ۱۳۷ میں مذکور ہے ۱۲

ابوعبیدہ یرموک سے حمص کو واپس گئے۔ اور خالد کو قنسرین روانہ کیا۔ شہر والوں نے اول مقابلہ کیا۔ لیکن پھر قلعہ بند ہو کر جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔ یہاں عرب کے قبائل میں سے قبیلہ تنوخ مدت سے آکر آباد ہو گیا تھا۔ یہ لوگ برسوں تک کمل کے خیموں میں بسر کرتے رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ تمدن کا یہ اثر ہوا کہ بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بنوا لی تھیں۔ حضرت ابوعبیدہ نے ہمقومی کے اتحاد سے ان کو اسلام کی ترغیب دی۔ چنانچہ سب مسلمان ہو گئے۔ صرف بنو سلیح کا خاندان عیسائیت پر قائم رہا اور چند روز کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ قبیلہ طے کے بھی بہت سے لوگ یہاں آباد تھے انھوں نے بھی اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا۔

قنسرین کی فتح کے بعد ابوعبیدہ نے حلب کا رخ کیا۔ شہر سے باہر میدان میں عرب کے بہت سے قبیلے آباد تھے۔ انھوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنوں کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حلب والوں نے ابوعبیدہ کی آمد سن کر قلعہ میں پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمۃ الجیش کے افسر تھے۔ شہر کا محاصرہ کیا اور چند روز کے بعد اور مفتوحہ شہروں کی طرح ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ عیسائیوں نے جزیہ دینا منظور کیا۔ اور ان کی جان۔ مال۔ شہر پناہ مکانات۔ قلعے۔ اور گرجوں کی حفاظت کا معاہدہ لکھ دیا گیا۔ حلب کے بعد انطاکیہ آئے۔ چونکہ یہ قیصر کا خاص دار السلطنت تھا۔ بہت سے رومیوں اور عام عیسائیوں نے یہاں آکر پناہ لی تھی۔ ابوعبیدہ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کیا۔ چند روز کے بعد عیسائیوں نے مجبور ہو کر صلح کر لی، ان صدر مقامات کے فتح ہونے نے تمام شام کو مرعوب کر دیا اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا تھا عیسائی خود آکر امن و صلح کے خواستگار ہوتے تھے۔ چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابوعبیدہ نے چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں۔ بوقا۔ جومہ۔ سرمین۔ توزی۔ قورس۔ تل عزاز۔ دلوک رعبان۔ یہ چھوٹے چھوٹے مقامات اس آسانی سے فتح ہوتے گئے کہ خون کا ایک قطرہ بھی زمین پہ

نہیں گرا۔ اسیطرح بالس اور قاصرین بھی پہلے وہلہ میں فتح ہوگئے۔ جرجومہ والوں نے جزیہ سے انکار کیا اور کہا کہ ہم لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ چونکہ جزیہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے۔ انکی یہ درخواست منظور کرلی گئی۔

انطاکیہ کے مضافات میں بغراس ایک مقام تھا جس سے ایشیائی کوچک کی سرحد ملتی تھی یہاں عرب کے بہت سے قبائل غسان۔ تنوخ۔ ایاد۔ رومیوں کے ساتھ ہرقل کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حبیب بن مسلمہ نے اُن پر حملہ کیا اور بڑا معرکہ ہوا۔ ہزاروں قتل ہوئے خالد نے مرعش پر حملہ کیا اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکلجائیں۔

بیت المقدس ۱۶ھ ۶۳۷ء

ہم اُوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب شام پر چڑھائی کی تو ہر ہر صوبہ پر الگ الگ افسر بھیجے۔ چنانچہ فلسطین۔ عمرو بن العاص کے حصے میں آیا۔ عمرو بن العاص نے بعض مقامات حضرت ابوبکرہی کے عہد میں فتح کرلیئے تھے اور فاروقی عہد تک نوناہلس۔ لد۔ عمواس۔ بیت جبرین تمام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ ہوچکا تھا۔ جب کوئی عام معرکہ پیش آجاتا تھا تو وہ فلسطین چھوڑ کر ابوعبیدہ سے ملتے تھے اور اُنکو مدد دیتے تھے لیکن فارغ ہونے کے ساتھ فوراً واپس آجاتے تھے اور اپنے کام میں مشغول ہوتے تھے[۱]۔ یہاں تک کہ آس پاس کے شہروں کو فتح کرکے خاص بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ بند ہوکر لڑتے رہے۔ اُس وقت حضرت ابوعبیدہ۔ شام کے انتہائی اضلاع قنسرین وغیرہ فتح کرچکے تھے، چنانچہ اُدھر سے فرصت پاکر بیت المقدس کا رُخ کیا۔ عیسائیوں نے ہمت ہار کر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لیئے یہ شرط اضافہ کی

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۱۴۰۔

کہ عمر خود یہاں آئیں اور معاہدۂ صلح اِن کے ہاتھوں سے لکھا جائے۔ ابوعبیدہ نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ حضرت عمر نے تمام معزز صحابہ کو جمع کیا اور مشورت کی۔ حضرت عثمان نے کہا کہ "عیسائی مرعوب اور شکستہ دل ہو چکے ہیں آپ اُنکی اِس درخواست کو رد کر دیں تو اُنکو اَور بھی ذلت ہوگی اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان اُنکو بالکل حقیر سمجھتے ہیں بغیر کسی شرط کے ہتھیار ڈال دیں گے"۔ لیکن حضرت علی نے اس کے خلاف رائے دی۔ حضرت عمر نے انہی کی رائے کو پسند کیا۔ اور سفر کی تیاریاں کیں، حضرت علی[1] کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار اُنکو سپرد کیے اور رجب ۱۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوگئے۔

ناظرین کو انتظار ہوگا کہ **فاروق اعظم** کا سفر۔ اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا۔ کس سر و سامان سے ہوا ہوگا؟ لیکن یہاں نقارہ و نوبت، خدم حشم، لاؤ لشکر۔ ایک طرف، معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجرین و انصار ساتھ تھے۔ تاہم جہاں یہ آواز پہنچی تھی کہ فاروق اعظم نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی تھی۔

سرداروں کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ جابیہ میں آکر اُن سے ملیں، اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید وغیرہ نے یہیں استقبال کیا۔ شام میں رہ کر ان افسروں میں عرب کی سادگی باقی نہیں رہی تھی، چنانچہ حضرت عمر کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس ہیئت سے آئے کہ بدن پر حریر و دیبا کے چلتے اور پُر تکلف قبائیں تھیں اور زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے، حضرت عمرؓ کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر اُنکی طرف پھینکے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔

---

[1] یہ طبری کی روایت ہے یعقوبی نے حضرت علی کے بجائے حضرت عثمان کا نام لیا ہے۔ [2] یعقوبی صفحہ ۱۶۷۔

ان لوگوں نے عرض کی کہ قباؤں کے نیچے ہتھیار ہیں یعنی سپہگری کا جوہر ہاتھ سے نہیں دیا ہے۔ فرمایا "تو کچھ مضائقہ نہیں"[1]۔ شہر کے قریب پہنچے تو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ غوطہ کا دلفریب سبزہ زار اور دمشق کے بلند اور شاندار مکانات سامنے تھے۔ دل پر ایک خاص اثر ہوا، عبرت کے لہجہ میں یہ آیت پڑھی کم ترکوا من جنات و عیون الخ پھر نابغہ کے چند حسرت انگیز اشعار پڑھے۔

جابیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہیں لکھا گیا۔ وہاں کے عیسائیوں کو حضرت عمرؓ کی آمد کی خبر پہلے پہنچ چکی تھی، چنانچہ رئیسان شہر کا ایک گروہ ان سے ملنے کے لئے دمشق کو روانہ ہوا۔ حضرت عمرؓ فوج کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ دفعتًہ کچھ سوار نظر آئے جو گھوڑے اڑاتے آتے تھے اور کمر میں تلواریں چمک رہی تھیں۔ مسلمانوں نے فورًا ہتھیار سنبھال لئے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا خیر ہے؟ لوگوں نے سواروں کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے فراست سے سمجھا کہ بیت المقدس کے عیسائی ہیں۔ فرمایا گھبراؤ نہیں یہ لوگ امان طلب کرنے آتے ہیں۔ غرض معاہدۂ صلح لکھا جا کر بڑے بڑے معزز صحابہ کے دستخط ہو گئے[2]۔

معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے سُم گھس کر تمام ہو گئے تھے اور رک رک کر قدم رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر اتر پڑے لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا حضرت عمرؓ سوار ہوئے تو اُچھل کرنے لگا، فرمایا کمبخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سیکھی۔ یہ کہہ کر اتر پڑے اور پیادہ پا چلے بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابوعبیدہ اور سرداران فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمرؓ کا لباس اور سروسامان جس معمولی حیثیت

---

[1] طبری صفحہ ۲۴۰۲، ۲۴۰۳۔ [2] یہ طبری کی روایت ہے بلاذری اور ازدی نے لکھا ہے کہ معاہدۂ صلح بیت المقدس میں لکھا گیا اس معاہدے کو تمام و کمال ہم نے اس کتاب کے دوسرے حصے میں نقل کیا ہے۔ دیکھو اس کتاب کا دوسرا حصہ صفحہ (۱۳۱)۔

کا تھا اُسکو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آئی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے؟ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور عمدہ قیمتی پوشاک حاضر کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "خدا نے ہمکو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیئے یہی بس ہے" غرض اس حال سے بیت المقدس میں داخل ہوئے سب سے پہلے مسجد میں گئے - محراب داؤد کے پاس پہنچکر - سجدہ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا - پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے اور ادھر اُدھر پھرتے رہے -

چونکہ یہاں اکثر افسران فوج اور عمّال جمع ہوگئے تھے کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری کیئے - ایک دن بلال (رسول اللہؐ کے مؤذن) نے آکر شکایت کی کہ امیر المومنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیاں کھاتے ہیں لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں - حضرت عمرؓ نے افسروں کی طرف دیکھا - انھوں نے عرض کی کہ اس مُلک میں تمام چیزیں ارزاں ہیں جتنی قیمت پر حجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے یہاں اُسی قیمت پر پرند کا گوشت اور میدہ ملتا ہے حضرت عمرؓ افسروں کو مجبور نہ کرسکے لیکن حکم دیدیا کہ مالِ غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ - ہر سپاہی کا کھانا بھی مقرر کردیا جائے -

ایک دن نماز کے وقت بلال سے درخواست کی کہ آج اذان دو بلال نے کہا میں عزم کرچکا تھا کہ رسول اللہؐ کے بعد کسی کے لیئے اذان نہ دونگا - لیکن آج (اور صرف آج) آپ کا ارشاد بجالاؤنگا اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہ کو رسول اللہؐ کا عہد مبارک یاد آگیا اور رقت طاری ہوئی - ابو عبیدہ و معاذ بن جبل روتے روتے بیتاب ہوگئے، حضرت عمرؓ کی ہچکی لگ گئی اور دیر تک ایک اثر رہا -

ایکدن مسجد اقصےٰ میں گئے اور کعب احبار کو بلایا اور اُن سے پوچھا کہ نماز کہاں پڑھی جائے - مسجد اقصیٰ میں ایک پتھر ہے جو انبیائے سابقین کی یادگار ہے اُسکو صخرہ کہتے ہیں اور یہودی اسکی اُسیطرح تعظیم کرتے ہیں جسطرح مسلمان حجرِ اسود کی حضرت عمرؓ نے جب قبلہ کی نسبت پوچھا تو کعب نے کہا کہ صخرہ کیطرف - حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم میں ابتک یہودیت کا اثر باقی

باقی ہے اور اسی کا اثر تھا کہ تم نے صخرہ کے پاس آ کر جوتی اتار دی۔ اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کا جو طرزِ عمل اس قسم کی یادگاروں کی نسبت تھا ظاہر ہوتا ہے۔ اس موقع پر ہماری اس کتاب کے دوسرے حصہ کے صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہیے۔

حمص پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش ۱۷ھ ۶۳۸ء

یہ معرکہ اس لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے جزیرہ اور آرمینیہ کی فتوحات کا موقع پیدا ہوا۔ ایران اور روم کی مہمیں جن اسباب سے پیش آئیں وہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں لیکن اس وقت تک آرمینیہ پر لشکرکشی کے لئے کوئی خاص سبب نہیں پیدا ہوا تھا۔ اسلامی فتوحات چونکہ روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھیں اور حکومتِ اسلام کے حدود برابر بڑھتے جاتے تھے۔ ہمسایہ سلطنتوں کو خود بخود خوف پیدا ہوا۔ کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے۔ چنانچہ جزیرہ والوں نے قیصر کو لکھا کہ نئے سرے سے ہمت کیجئے، ہم ساتھ دینے کو موجود ہیں۔ چنانچہ قیصر نے ایک فوجِ کثیر حمص کو روانہ کی۔ ادھر سے جزیرہ والے ۳۰ ہزار کی بھیڑ بھاڑ کے ساتھ شام کی طرف بڑھے۔

ابو عبیدہؓ نے بھی ادھر ادھر سے فوجیں جمع کر کے حمص کے باہر صفیں جمائیں، ساتھ ہی حضرت عمرؓ کو تمام حالات سے اطلاع دی، حضرت عمرؓ نے آٹھ بڑے بڑے شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں۔ اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے فقط اس غرض سے ہر وقت تیار رہتے تھے کہ کوئی اتفاقیہ موقع پیش آ جائے تو فوراً ہر جگہ سے فوجیں یلغار کر کے موقع پر پہنچ جائیں۔ ابو عبیدہؓ کا خط آیا تو ہر طرف قاصد دوڑا دیئے۔ قعقاع بن عمرو کو جو کوفہ میں مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار ہزار سوار لیکر حمص پہنچ جائیں۔ سہیل بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پہنچ کر جزیرہ والوں کو حمص کی طرف بڑھنے سے روک دیں۔ عبد اللہ بن غسان کو نصیبین کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پہنچ کر عرب کے ان قبائل کو تمام

رکھیں جو جزیرہ میں آباد تھے۔ حضرت عمرؓ نے اِن انتظامات پر بھی قناعت نہ کی بلکہ خود مدینہ سے روانہ ہوکر دمشق میں آئے، جزیرہ والوں نے جب سُنا کہ خود اُن کے ملک میں مسلمانوں کے قدم آگئے تو حمص کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرہ کو چل دیئے عرب کے قبائل جو عیسائیوں کی مدد کو آئے تھے وہ بھی پچھتائے اور خفیہ خالد کو پیغام بھیجا کہ تمہاری مرضی ہو تو ہم اِسی وقت یا عین موقع پر عیسائیوں سے الگ ہوجائیں خالد نے کہلا بھیجا کہ افسوس! میں دوسرے شخص (ابوعبیدہ) کے ہاتھ میں ہوں۔ اور وہ حملہ کرنا پسند نہیں کرتا ورنہ مجھکو تمہارے ٹھہرنے اور چلے جانے کی مطلق پروانہ ہوتی" تاہم اگر تم سچے ہو تو محاصرہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤ۔ اِدھر فوج نے ابوعبیدہ سے تقاضا شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت ہو۔ اُنھوں نے خالد سے پُوچھا خالد نے کہا میری جو رائے ہے معلوم ہے، عیسائی ہمیشہ کثرت فوج کے بل پر لڑتے ہیں۔ اَب کثرت بھی نہیں رہی۔ پھر کس بات کا اندیشہ ہے، اِس پر بھی ابوعبیدہ کا دل مطمئن نہ تھا تمام فوج کو جمع کیا اور نہایت پُرزور اور مؤثر تقریر کی کہ مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہگیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئیگا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملیگی۔ مَیں گواہی دیتا ہوں (اور مجھ پر جھوٹ بولنے کا موقع نہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہوکر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائیگا" فوج پہلے ہی سے حملہ کرنے کے لیے بیقرار تھی۔ ابوعبیدہ کی تقریر نے اور بھی گرما دیا اور دفعۃً سب نے ہتھیار سنبھال لیئے، ابوعبیدہ۔ قلبِ فوج اور خالد و عباس میمنہ اور میسرہ کو لیکر بڑھے قعقاع جو کوفہ سے چار ہزار فوج کے ساتھ مدد کو آئے تھے حمص سے چند میل پر راہ میں تھے کہ اِس واقعہ کی خبر سُنی۔ فوج چھوڑ کر سو سواروں کے ساتھ ابوعبیدہ سے آملے۔ مسلمانوں کے حملے کے ساتھ عرب کے قبائل (جیسا کہ خالد سے اقرار ہوچکا تھا) اَبتری کے ساتھ پیچھے ہٹے اُن کے ہٹنے سے عیسائیوں کا بازو ٹوٹ گیا اور تھوڑی دیر لڑکر اِس بے حواسی سے بھاگے کہ مرج الدیباج تک اُنکے قدم نہ جمے یہ اخیر معرکہ تھا جسکی ابتدا خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئی اور جسکے بعد اُنکو پھر کبھی پیشقدمی کا حوصلہ نہیں ہوا۔

حضرت خالد کا معزول ہونا

شام کی فتوحات اور سنہ ۱۷ھ (۶۳۸ء) کے واقعات میں حضرت خالد کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہے۔ عام مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد کی معزولی تھی۔ ابن الاثیر وغیرہ سب یہی لکھتے آئے ہیں لیکن یہ ایک سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ ابن الاثیر کو خود اپنی اختلاف بیانی کا بھی خیال نہیں۔ خود ہی سنہ ۱۳ھ کے واقعات میں خالد کا معزول ہونا لکھا ہے اور خود ہی سنہ ۱۷ھ کے واقعات میں انکی معزولی کا الگ عنوان قائم کیا ہے اور دونوں جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دیئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ خالد کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے تاہم آغاز خلافت میں ان سے کچھ تعرض کرنا نہیں چاہا۔ لیکن چونکہ خالد کی عادت تھی کہ وہ کاغذات حساب دربار خلافت کو نہیں بھیجتے تھے اس لیے انکو تاکید لکھی کہ آیندہ سے اسکا خیال رکھیں خالد نے جواب میں لکھا کہ میں حضرت ابوبکرؓ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آیا ہوں اور اب اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ حضرت عمرؓ کو انکی یہ خود مختاری کیونکر پسند ہو سکتی تھی اور وہ بیت المال کی رقم کو اس طرح بیدریغ کیونکر کسی کے ہاتھ میں دے سکتے تھے۔ چنانچہ خالد کو لکھا کہ تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہو۔ خالد نے اس شرط کو نامنظور کیا اور اس بنا پر وہ سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیئے گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کو حافظ ابن حجر نے کتاب الاصابہ میں حضرت خالد کے حال میں بتفصیل لکھا ہے۔

باایں ہمہ انکو بالکل معزول نہیں کیا بلکہ ابو عبیدہ کے ماتحت کر دیا۔ اس کے بعد سنہ ۱۷ھ (۶۳۸ء) میں واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالد نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دیئے۔ پرچہ نویسوں نے اسی

وقت حضرت عمرؓ کو پرچہ لکھا۔ حضرت عمرؓ نے ابوعبیدہ کو خط لکھا کہ خالد نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔

خالدؓ جس کیفیت سے معزول کیے گئے وہ سُننے کے قابل ہے۔ قاصد نے جو معزولی کا خط لے کر آیا تھا مجمعِ عام میں خالدؓ سے پُوچھا کہ یہ انعام تم نے کہاں سے دیا۔ خالد اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ اُن سے درگذر کیا جائے لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے۔ مجبوراً قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر اُن کے سر سے ٹوپی اُتار لی اور اُن کی سرتابی کی سزا کے لیئے اُن ہی کے عمامہ سے انکی گردن باندھی۔ یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ایسا بڑا سپہ سالار جسکا نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہ تھا اور جسکی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا اس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے اور مطلق دَم نہیں مارتا۔ اِس واقعہ سے ایک طرف تو خالد کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے۔ اور دوسری طرف حضرت عمرؓ کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالد نے حمص پہنچکر اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی۔ تقریر میں یہ بھی کہا کہ امیر المومنین عمرؓ نے مجکو شام کا افسر مقرر کیا اور جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجکو معزول کر دیا اس فقرے پر ایک سپاہی اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اے سردار چُپ رہ! ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے"۔ خالد نے کہا ہاں! لیکن عمرؓ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے[1]۔

خالدؓ مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمرؓ! خدا کی قسم تم میرے معاملے میں ناانصافی کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی۔ خالد نے کہا کہ مالِ غنیمت سے۔ اور یہ کہکر کہا کہ ساٹھ ہزار سے جسقدر زیادہ رقم نکلے وہ میں آپ کے حوالے کرتا ہوں چنانچہ بیس ہزار روپے زیادہ نکلے اور وہ بیت المال میں داخل کر دیئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے خالد کی

[1] دیکھو کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ (۸۷) اور تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۷

طرف مخاطب ہو کر کہا کہ خالدؓ! واللہ تم مجکو محبوب بھی ہو اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں" یہ کہکر تمام عمال ان ملکی کو لکھ بھیجا کہ میں نے خالد کو ناراضی سے یا خیانت کی بنا پر موقوف نہیں کیا۔ لیکن چونکہ میں یہ دیکھتا تھا کہ لوگ اُن کے مفتوں ہوتے جاتے ہیں اسلیئے میں نے ان کا معزول کرنا مناسب سمجھا تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے" ان واقعات سے ایک نکتہ ہیں شخص آسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالد کی معزولی کے کیا اسباب تھے اور اس میں کیا مصلحتیں تھیں۔

عمواس کی وبا ۱۸ھ ۶۳۹ء

اس سال شام و مصر و عراق میں سخت وبا پھیلی۔ اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں خاک میں چھپ گئیں۔ وبا کا آغاز ۱۸ھ کے اخیر میں ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی۔ حضرت عمرؓ کو اول جب خبر پہنچی تو اسکی تدبیر اور انتظام کے لئے خود روانہ ہوئے۔ سرغ پہنچکر ابو عبیدہؓ وغیرہ سے جو ان کے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ مہاجرین اولین اور انصار کو بلایا اور رائے طلب کی۔ مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ لیکن مہاجرین فتح نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ پکار دیں کہ کل کوچ ہے۔ حضرت ابو عبیدہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے انکو نہایت غصہ آیا۔ اور طیش میں آکر کہا۔

افرارًا من قدر اللہ	یعنی اے عمرؓ! تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمرؓ نے انکی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا۔

نعم افر من قضاء اللہ الی قضاء اللہ	یعنی ہاں تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں مگر بھاگتا بھی تقدیر الٰہی کیطرف ہوں

لہ طبری صفحہ ۲۵۲۰ سرغ ایک مقام کا نام ہے ۱۲

غرض خود مدینہ چلے آئے اور ابوعبیدہ کو لکھا کہ مجھکو تم سے کچھ کام ہے کچھ دنوں کے لیئے یہاں آجاؤ ابوعبیدہ کو خیال ہوا کہ وبا کے خوف سے بلایا ہے۔ جواب میں لکھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ ہوگا۔ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیئے یہاں سے ٹل نہیں سکتا۔ حضرت عمرؓ خط پڑھکر روئے اور لکھا کہ فوج جہاں اتری ہے وہ نشیب اور مرطوب جگہ ہے۔ اس لیے کوئی عمدہ موقع تجویز کرکے وہاں اٹھ جاؤ۔ ابوعبیدہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ میں جاکر مقام کیا جو آب و ہوا کی خوبی میں مشہور تھا

جابیہ پہنچکر ابوعبیدہ بیمار پڑے۔ جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگوں کو جمع کیا اور نہایت پُراثر الفاظ میں وصیت کی۔ معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور چونکہ نماز کا وقت آچکا تھا حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں ادھر نماز ختم ہوئی ادھر انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ بیماری اسی طرح زوروں پر تھی اور فوج میں انتشار پھیلا ہوا تھا۔ عمرو بن العاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ وبا انہی بلاؤں میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے زمانے میں مصر پر نازل ہوئی تھیں اسلیئے یہاں سے بھاگ چلنا چاہیئے۔ معاذ نے سُنا تو ممبر پر چڑھکر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وبا "بلا نہیں ہے بلکہ خدا کی رحمت ہے"۔ خطبہ کے بعد خیمہ میں آئے تو بیٹے کو بیمار پایا۔ نہایت استقلال کے ساتھ کہا یابنی الحق من ربک فلا تکونن من الممترین یعنی اے فرزند۔ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ دیکھ شبہہ میں نہ پڑنا۔ بیٹے نے جواب دیا ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین۔ یعنی خدا نے چاہا تو آپ مجھکو صابر پائیں گے" یہ کہکر انتقال کیا۔ معاذ بیٹے کو دفنا کر آئے تو خود بیمار پڑے۔ عمرو بن العاص کو خلیفہ مقرر کیا اور اس خیال سے کہ زندگی خدا کے قرب کا حجاب تھی۔ بڑے اطمینان اور مسرت کے ساتھ جان دی۔

مذہب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے۔ وبا کا وہ زور تھا اور ہزاروں آدمی طعمۂ اجل ہوتے جاتے تھے۔ لیکن معاذؓ اسکو خدا کی رحمت سمجھا کیئے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی۔ لیکن عمرو بن العاص کو یہ نشہ کم تھا۔ معاذ کے مرنے کے ساتھ انھوں نے مجمع عام میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ وبا جب شروع ہوتی

ہے تو آگ کی طرح پھیلتی جاتی ہے۔ اس لیئے "تمام فوج کو یہاں سے اُٹھکر پہاڑوں پر جا رہنا چاہیئے"
اگرچہ اُن کی رائے بعض صحابہ کو جو معاذ کے ہمخیال تھے ناپسند آئی یہاں تک ایک بزرگ نے علانیہ کہا
کہ "تو جھوٹ کہتا ہے"۔ تاہم عمرو نے اپنی رائے پر عمل کیا۔ فوج اُن کے حکم کے مطابق اِدھر اُدھر پہاڑوں
پر پھیل گئی اور وبا کا خطرہ جاتا رہا۔ لیکن یہ تدبیر اسوقت عمل میں آئی کہ ۲۵ ہزار مُسلمان جو آدھی دنیا
کے فتح کرنے کے لیے کافی ہو سکتے تھے، موت کے مہمان ہو چکے تھے۔ انہیں ابو عبیدہ۔ معاذ بن جبل
یزید بن ابی سفیان۔ حارث بن ہشام۔ سہیل بن عمرو۔ عتبہ بن سہیل۔ بڑے درجے کے لوگ تھے۔
حضرت عمرؓ کو ان تمام حالات سے اطلاع ہوتی رہتی تھی۔ اور مناسب احکام بھیجتے رہتے تھے۔ یزید بن
ابی سفیان اور معاذ کے مرنے کی خبر آئی تو معاویہ کو دمشق کا اور شرحبیل کو اردن کا حاکم مقرر کیا۔

اِس قیامت خیز وبا کی وجہ سے فتوحات اسلام کا سیلاب دفعتہً رک گیا
فوج بجائے اسکے کہ مخالف پر حملہ کرتی خود اپنے حال میں گرفتار تھی۔ ہزاروں لڑکے یتیم ہو گئے ہزاروں
عورتیں بیوہ بن گئیں۔ جو لوگ مرے تھے اُنکا مال و اسباب مارا مارا پھرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان حالات
سے مطلع ہو کر شام کا قصد کیا۔ حضرت علیؓ کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے۔ یرفا انکا
غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے۔ ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی
اور خود اُسکے اونٹ پر سوار ہوئے۔ راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے پوچھتے تھے کہ امیرالمومنین کہاں ہیں
فرماتے کہ تمہارے آگے" ! اسی حیثیت سے ایلہ میں آئے اور یہاں دو ایک روز قیام کیا۔ گزی کا کرتہ
جو زیب بدن تھا کجاوے کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا۔ مرمت کے لیئے ایلہ کے پادری کو حوالہ
کیا، اُسنے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے۔ اور اُس کے ساتھ ایک نیا کرتہ تیار کر کے پیش کیا۔ حضرت
عمرؓ نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا کہ اسمیں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔ ایلہ سے دمشق آئے۔ اور شام کے
اکثر اضلاع میں دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات کیئے۔ فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں

جو لوگ وبا میں ہلاک ہوئے تھے اُن کے دُور و نزدیک کے وارثوں کو بُلا کر اُن کی میراث دلائی۔ سرحدی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ جو اسامیاں خالی ہوئی تھیں اُن پر نئے عہدے دار مقرر کیے (ان باتوں کی پُوری تفصیل دوسرے حصّہ میں آئیگی)۔ چلتے وقت لوگوں کو جمع کیا، اور جو انتظامات کیے تھے اُن کے متعلق تقریر کی۔

اِس سال عرب میں سخت قحط پڑا۔ اور اگر حضرت عمرؓ نے نہایت مستعدی سے انتظام نہ کیا ہوتا تو ہزاروں لاکھوں آدمی بھوکوں مرجاتے۔ اِسی سال۔ مہاجرین اور انصار اور قبائلِ عرب کی تنخواہیں اور روزینے مقرر کیے۔ چنانچہ اِن انتظامات کی تفصیل دوسرے حصّہ میں آئیگی۔

قیساریہ کی فتح۔ شوال سنہ ۱۹ھ (۶۴۰ء)

یہ شہر بحرِ شام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے ضلاع میں شمار کیا جاتا ہے۔ آج ویران پڑا ہے لیکن اُس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا اور بقول بلاذری کے تین سَو بازار آباد تھے۔ اِس شہر پر اول اول سنہ ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں عمرو بن العاص نے چڑھائی کی اور مُدّت تک محاصرہ کیے پڑے رہے لیکن فتح نہ ہوسکا۔ ابوعبیدہ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے یزید بن ابی سفیان کو اُن کی جگہ مقرر کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ قیساریہ کی مہم پر جائیں۔ وہ ۱۷ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ لیکن سنہ ۱۸ھ (۶۳۹ء) میں جب بیمار ہوئے تو امیر معاویہ اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام کر کے دمشق چلے آئے اور یہیں وفات پائی۔ امیر معاویہ نے بڑے سر و سامان سے محاصرہ کیا۔ شہر والے کئی دفعہ قلعہ سے نکل نکل کر لڑے لیکن ہر دفعہ شکست کھائی۔ تاہم شہر پر قبضہ نہ ہوسکا۔ ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام یوسف تھا۔ امیر معاویہ کے پاس آکر ایک سُرنگ کا نشان دیا۔ جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی۔ چنانچہ چند بہادروں نے اُسکی راہ قلعہ کے اندر پہنچکر دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی[1]

[1] بلاذری ۱۴۲

تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ کم سے کم عیسائیوں کی اسی ہزار فوج تھی جس میں بہت کم زندہ بچی۔ چونکہ یہ ایک مشہور مقام تھا اسکی فتح سے گویا شام کا مطلع صاف ہو گیا۔

جزیرہ[1] سنہ ۱۶ ہجری

مدائن کی فتح سے دفعتہً تمام عجم کی آنکھیں کھل گئیں عرب کو یا تو وہ تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے یا اب انکو عرب کے نام سے لرزہ آتا تھا۔ اسکا یہ اثر ہوا کہ ہر ہر صوبے نے بجائے خود عرب کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں سب سے پہلے جزیرہ نے ہتھیار سنبھالا کیونکہ اسکی سرحد عراق سے بالکل ملی ہوئی تھی۔ سعد نے حضرت عمرؓ کو ان حالات سے اطلاع دی۔ وہاں سے عبداللہ بن المعتم مامور ہوئے اور چونکہ حضرت عمرؓ کو اس معرکہ کا خاص خیال تھا اور اور افسروں کو بھی خود ہی نامزد کیا۔ چنانچہ مقدمۃ الجیش پر ربعی بن الافکل۔ میمنہ پر حارث بن حسان۔ میسرہ پر فرات بن حیان۔ ساقہ پر ہانی بن قیس مامور ہوئے۔ عبداللہ بن المعتم پانچہزار کی جمعیت سے تکریت[2] کی طرف بڑھے۔ اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینے سے زیادہ زیادہ محاصرہ رہا۔ اور ۲۴ دفعہ حملے ہوئے چونکہ عجمیوں کے ساتھ عرب کے چند قبائل یعنی ایاد۔ تغلب۔ نمر بھی شریک تھے عبداللہ نے خفیہ پیام بھیجا اور غیرت دلائی کہ تم عرب ہو کر عجم کی غلامی کیوں گوارا کرتے ہو؟ اس کا یہ اثر ہوا کہ سب نے اسلام قبول کیا اور کہلا بھیجا کہ تم شہر پر حملہ کرو۔ ہم عین موقع پر عجمیوں سے ٹوٹ کر تم سے آملیں گے یہ بندوبست ہو کر تاریخ معین پر دھاوا ہوا۔ عجمی مقابلے کو نکلے تو خود ان کے ساتھ کے عربوں نے عقب سے انپر حملہ کیا۔ عجمی دونوں طرف سے گھر کر بالکل پامال ہو گئے۔

---

[1] جزیرہ اُس حصہ آبادی کا نام ہے جو دجلہ اور فرات کے بیچ میں ہے اُسکی حدود اربعہ یہ ہیں۔ مغرب آرمینیہ کا کچھ حصہ اور ایشیائے کوچک جنوب شام مشرق۔ عراق۔ شمال آرمینیہ کے کچھ حصے۔ یہ مقام درج نقشہ ہے ۱۲

[2] تکریت جزیرہ کا سب سے ابتدائی شہر ہے جسکی حد عراق سے ملی ہوئی ہے۔ دجلہ کے غربی جانب واقع ہے اور موصل سے ۸ منزل پر ہے ۱۲

یہ معرکہ اگرچہ جزیرہ کی مہمات میں شامل ہے لیکن چونکہ اسکا موقع اتفاقی طور سے عراق کے سلسلے میں آگیا تھا اس لئے مؤرخین اسلام جزیرہ کی فتوحات کو اس واقعہ سے شروع نہیں کرتے۔ اور خود اُس زمانے میں یہ معرکہ عراق کے سلسلے سے الگ نہیں خیال کیا جاتا تھا، ۱۷ھ میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو سعد کے نام حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ جزیرہ پر فوجیں بھیجی جائیں سعد نے عیاض بن غنم کو پانچہزار کی جمعیت سے اس مہم پر مامور کیا۔ وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شہر رہا کے قریب جو کسی زمانے میں رومن امپائر کا یادگار مقام تھا، ڈیرے ڈالے یہاں کے حاکم نے خفیف سی روک ٹوک کے بعد جزیہ پر صلح کر لی۔ رہا کے بعد چند روز میں تمام جزیرہ اِس سرے سے اُس سرے تک فتح ہوگیا۔ جن جن مقامات پر خفیف خفیف لڑائیاں پیش آئیں اُن کے نام یہ ہیں۔ رقہ۔ حران۔ نصیبین۔ میافارقین۔ سمساط۔ سروج۔ قرقیسیا۔ زوزان۔ عین الوردۃ

خوزستان

۱۶ھ ہجری میں مغیرہ بن شعبہ بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی سرحد بصرہ سے ملی ہوئی ہے۔ انھوں نے خیال کیا کہ اس کی فتح کے بغیر بصرہ میں کافی طور سے امن وامان قائم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ۱۶ھ ہجری کے شروع میں اہواز پر جسکو ایرانی ہرمز شہر کہتے تھے حملہ کیا۔ یہاں کے رئیس نے ایک مختصر سی رقم دے کر صلح کر لی۔ مغیرہ وہیں رُک گئے۔ ۱۷ھ ہجری میں مغیرہ معزول ہو کر اُن کی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے۔ اس انقلاب میں اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا۔ مجبوراً ابو موسیٰ نے لشکر کشی کی۔ اور اہواز کو جا گھیرا۔ شاہی فوج جو یہاں رہتی تھی اُس نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر شکست کھائی اور شہر فتح ہوگیا۔

۱؎ خوزستان اُس حصہ آبادی کا نام ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے۔ اُس میں ۱۴ بڑے شہر ہیں جن میں سب سے بڑا شہر ''اہواز'' ہے جو نقشہ میں بھی درج کر دیا گیا ہے ۱۲

غنیمت کے ساتھ ہزاروں آدمی، لونڈی غلام بنکر تقسیم کیے گئے۔ لیکن جب حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیئے جائیں چنانچہ وہ سب چھوڑ دیئے گئے۔ ابوموسیٰ نے اہواز کے بعد مناذر کا رُخ کیا۔ یہ خود ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر والوں نے بھی ہمت اور استقلال سے حملے کو روکا۔ اس معرکہ میں مہاجر بن زیاد جو ایک معزز افسر تھے شہید ہوئے۔ اور قلعہ والوں نے اُن کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔ ابوموسےٰ نے مہاجر کے بھائی ربیع کو یہاں چھوڑا اور خود سوس کو روانہ ہوئے۔ ربیع نے مناذر کو فتح کر لیا اور ابوموسےٰ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی۔ قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ہو چکا تھا۔ مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اُس کے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائیں۔ ابوموسیٰ نے منظور کیا۔ رئیس ایک ایک آدمی کو نامزد کرتا جاتا تھا اور اُسکو امن دیدیا جاتا تھا۔ بدقسمتی سے شمار میں رئیس نے خود اپنا نام نہیں لیا تھا۔ چنانچہ جب سو کی تعداد پوری ہوگئی تو ابوموسیٰ نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرا دیا۔ سوس کے بعد رامہرز کا محاصرہ ہوا اور آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہوگئی۔ یزدگرد اُس وقت قم میں مقیم تھا اور خاندان شاہی کے تمام ارکان ساتھ تھے۔ ابوموسےٰ کی دست درازیوں کی خبریں اُسکو برابر پہنچتی تھیں۔ ہرمزان نے جو شیرویہ کا ماموں اور بڑی قوت و اقتدار کا سردار تھا، یزدگرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی اگر اہواز و فارس میری حکومت میں دیدیے جائیں تو میں عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں۔ یزدگرد نے اُسی وقت فرمان حکومت عطا کر کے ایک جمعیت عظیم ساتھ کر دی۔ خوزستان کا صدر مقام شوشتر تھا اور شاہی عمارات اور فوجی چھاؤنیاں جو کچھ تھیں یہیں تھیں۔ ہرمزان نے وہاں پہنچکر قلعہ کی مرمت کرائی۔ اور خندق اور برجوں سے مستحکم کیا۔ اس کے ساتھ ہر طرف نقیب اور ہرکارے دوڑا دیئے کہ لوگوں کو جوش دلا کر جنگ کے لئے آمادہ کریں۔ اس تدبیر سے قومی جوش جو افسردہ ہو گیا تھا پھر تازہ ہو گیا اور چند روز میں ایک جمعیت عظیم فراہم ہو گئی۔ ابوموسےٰ نے

دربارِ خلافت کو نامہ لکھا اور مدد کی درخواست کی۔ وہاں سے عمار بن یاسر کے نام جو اُس وقت کوفہ کے گورنر تھے، حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ہزار آدمی کے ساتھ مدد کو بھیجیں۔ لیکن غنیم نے جو سروسامان کیا تھا اُس کے سامنے یہ جمعیت بیکار تھی۔ ابوموسےٰ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب میں عمار کو حکم پہنچا کہ عبداللہ بن مسعود کو آدھی فوج کے ساتھ کوفہ میں چھوڑ دو اور باقی فوج لے کر خود ابوموسےٰ کی مدد کو جاؤ۔ ادھر جریر بجلی ایک بڑی فوج لیکر جلولاء پہنچا۔ ابوموسےٰ نے اس سروسامان سے تستر کا رُخ کیا اور شہر کے قریب پہنچکر ڈیرے ڈالے۔ ہرمزان کثرتِ فوج کے بَل پر خود شہر سے نکل کر حملہ آور ہوا۔ ابوموسےٰ نے بڑی ترتیب سے صف آرائی کی۔ میمنہ براء بن مالک کو دیا۔ (یہ حضرت انس (صحابی مشہور) کے بھائی تھے)۔

میسرہ پر براء بن عازب انصاری کو مقرر کیا۔ سواروں کا رسالہ حضرت انس کی رکاب میں تھا۔ دونوں فوجیں خوب جی توڑ کر لڑیں۔ براء بن مالک مارتے دھاڑتے شہر پناہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ اُدھر ہرمزان نہایت بہادری کے ساتھ فوج کو لڑا رہا تھا۔ عین پھاٹک پر دونوں کا سامنا ہوا۔ براء مارے گئے۔ ساتھ ہی مخزاۃ بن ثور نے جو میمنہ کو لڑا رہے تھے بڑھکر وار کیا۔ لیکن ہرمزان نے انکا بھی کام تمام کر دیا۔ تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ عجمی ایک ہزار مقتول اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے۔ ہرمزان نے قلعہ بند ہو کر لڑائی جاری رکھی۔

ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ابوموسےٰ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میرے جان و مال کو امن دیا جائے تو مَیں شہر پر قبضہ کرا دوں۔ ابوموسےٰ نے منظور کیا۔ اس نے ایک عرب کو جسکا نام اشرس تھا ساتھ لیا اور نہر دجیل سے جو دجلہ کی ایک شاخ ہے اور شوستر کے نیچے بہتی ہے پار اُتر کر ایک تہ خانے کی راہ شہر میں داخل ہوا۔ اور اشرس کے مونھ پر چادر ڈال کر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گذرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا

ہرمزان رئیسوں اور درباریوں کے ساتھ جلسہ جائے بیٹھا ہوا تھا۔ شہری نے اِن کو تمام عمارت کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر ابو موسےٰ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں اپنا فرض ادا کرچکا آگے تمھاری ہمت اور تقدیر ہے۔ اشرس نے اُس کے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ دو سو جانباز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہوجائے۔ ابو موسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا۔ دو سو بہادروں نے بڑھکر کہا کہ خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے۔ اشرس اُسی نہ خانے کی راہ شہر پناہ کے دروازے پر پہنچے۔ اور پہرہ والوں کو تہ تیغ کرکے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے۔ ادھر ابو موسےٰ فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے۔ دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہل چل پڑ گئی۔ ہرمزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی۔ مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اُس نے برج پر چڑھکر کہا کہ میرے ترکش میں اب بھی سَو تیر ہیں اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفتار نہیں ہوسکتا۔ تاہم میں اس شرط پر اُترآتا ہوں۔ کہ تم مجھکو مدینہ پہنچا دو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر کے ہاتھ سے ہو" ابو موسےٰ نے منظور کیا اور حضرت انس کو ما مور کیا کہ مدینہ تک اُس کے ساتھ جائیں۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے تمام آدمی رکاب میں لیے۔ مدینہ کے قریب پہنچکر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوا۔ تاج مرصع جو آذین کے لقب سے مشہور تھا سر پر رکھا۔ دیبا کی قبا زیب بدن کی۔ اور شاہان عجم کے طریقے کے موافق زیور پہنے۔ کمر سے مرصع تلوار لگائی۔ غرض شان و شوکت کی تصویر بن کر مدینے میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ وہ سمجھتا تھا کہ جس شخص کے دبدبے نے تمام دنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے اسکا دربار بھی بڑے سروسامان کا ہوگا۔ حضرت عمر اسوقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور فرشِ خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔

ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سینکڑوں تماشائی ساتھ تھے جو اس کے زرق برق لباس

کو بار بار دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔ لوگوں کی آہٹ سے حضرت عمرؓ کی آنکھ کھلی تو عجمی شان و شوکت کا مرقع سامنے تھا۔ اُوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "یہ دُنیائے دوں کی دلفریبیاں ہیں"۔ اس کے بعد ہرمزان کی طرف مخاطب ہوئے۔ اُسوقت تک مترجم نہیں آیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ کچھ کچھ فارسی سے آشنا تھے، اسلیئے اُنھوں نے ترجمانی کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے وطن پُوچھا۔ مغیرہ، وطن کی فارسی نہیں جانتے تھے، اس لیے کہا کہ۔ از کدام ارضی؟ پھر اور باتیں شروع ہوئیں۔ قادسیہ کے بعد، ہرمزان نے کئی دفعہ سعد سے صلح کی تھی اور ہمیشہ اقرار سے پھر پھر جاتا تھا[1]۔ شوستر کے معرکے میں دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان باتوں کا اسقدر رنج تھا کہ انھوں نے ہرمزان کے قتل کا پُورا ارادہ کر لیا تھا۔ تاہم اتمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی۔ اس نے کہا کہ عمرؓ! جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے اَب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے غلام ہیں۔ یہ کہہ کر پینے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لے کر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی لُوں مارا نہ جاؤں۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا۔ اِس نے پیالہ ہاتھ سے رکھدیا اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا اور اس لیے شرط کے موافق، تم مجکو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ اس مغالطے پر حیران رہ گئے۔ ہرمزان نے کلمۂ توحید پڑھا اور کہا کہ مَیں پہلے ہی اسلام لا چکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لیئے کی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ مَیں نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا[2]۔ حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے" اور خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی، اِس کے ساتھ دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ، فارس وغیرہ کی مہمات میں اکثر اِس سے مشورہ لیا کرتے تھے شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا جو شوستر سے ۲۴ میل ہے۔ کئی دن تک محاصرہ رہا ایک دن شہر والوں نے خود شہر پناہ کے دروازے کھول دیے اور نہایت

[1] ان واقعات کو طبری نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے ۱۲ [2] عقد الفرید لابن عبد ربہ۔ باب المکیدۃ فی الحرب ۱۲

اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے۔ مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا اور اُسکا سبب دریافت کیا۔ شہر والوں نے کہا تم ہمکو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے۔ اب کیا جھگڑا رہا۔ سب کو حیرت تھی کہ امن کس نے دیا ہے تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھدیا ہے۔ **ابو موسیٰ** نے کہا ایک غلام کی خود رائی حجت نہیں ہو سکتی۔ شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے۔ آخر حضرت **عمر** کو خط لکھا گیا۔ اُنھوں نے جواب میں لکھا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جسکو اُس نے امان دیدی تمام مسلمان امان دے چکے۔ اس شہر کی فتح نے تمام **خوزستان** میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا۔ اور فتوحات کی فہرست میں ایک اور نیا ملک اضافہ ہو گیا۔

عراق[۱] عجم سنہ ۲۱ ہجری

جلولا کے بعد جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ یزدگرد **رَے** چلا گیا۔ لیکن یہاں کے رئیس آبان جادویہ نے بیوفائی کی۔ اس لیئے رَے سے نکل کر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا یہاں پہنچکر مرو میں اقامت کی۔ آتش پارسی ساتھ تھی۔ اسکے لیئے آتشکدہ تیار کرایا اور مطمئن ہوکر پھر سلطنت و حکومت کے ٹھاٹھ لگا دیئے۔ یہیں خبر لگی کہ عربوں نے عراق کے ساتھ خوزستان بھی فتح کر لیا اور ہرمزان جو سلطنت کا زور بازو تھا زندہ گرفتار ہو گیا۔ یہ حالات سُن کر نہایت طیش میں آیا۔ اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اسکا وہ پہلا رعب و داب باقی نہیں رہا تھا تاہم تین ہزار برس کا خاندانی اثر دفعتہ نہیں مٹ سکتا تھا۔ ایرانی اسوقت تک یہ سمجھے تھے کہ عرب کی آندھی سرحدی مقامات تک پہنچکر رک جائے گی۔ اس لیئے اُن کو اپنی خاص سلطنت کی طرف سے اطمینان تھا لیکن خوزستان

[۱] سرزمین عراق دو حصوں پر منقسم ہے مغربی حصے کو عراق عرب کہتے ہیں اور مشرقی حصے کو عراق عجم۔ عراق عجم کی حدود اربعہ یہ ہیں کہ شمال میں طبرستان، جنوب میں شیراز، مشرق میں خوزستان، اور مغرب میں شہر مراغہ واقع ہے۔ اُس وقت اُس کے بڑے شہر اصفہان، ہمدان اور رَے سمجھے جاتے تھے اس وقت رَے بالکل ویران ہو گیا اور اُسی کے قریب طہران آباد ہو گیا ہے جو شاہان قاچار کا دارالسلطنت ہے ۱۲

کے واقعہ سے اُن کی آنکھیں کھلیں۔ ساتھ ہی شہنشاہ کے فرامین اور نقیب پہنچے، اِس سے دفعۃً طبرستان جرجان، دماوند، رے، اصفہان، ہمدان سے گذر کر خراسان۔ اور سندھ تک تلاطم مچ گیا۔ اور ڈیڑھ لاکھ کا ٹڈی دل قم میں آکر ٹھہرا۔ یزدگرد نے مردان شاہ کو (ہرمز کا فرزند تھا) سرِ لشکر مقرر کرکے نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ اِس معرکہ میں درفشِ کاویانی جسکو عجم فالِ ظفر سمجھتے تھے۔ مبارک فالی کے لحاظ سے نکالا گیا۔ چنانچہ مردان شاہ جب روانہ ہوا تو اِس مبارک عَلَم کا پھریرا اُسپر سایہ کرتا جاتا تھا

عمار بن یاسر نے جو اُسوقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمرؓ کو اِن حالات سے اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ عمار کا خط لیے ہوئے مسجدِ نبوی میں آئے۔ اور سب کو سُناکے کہا کہ گروہِ عرب! اس مرتبہ تمام ایران کمر بستہ ہوکر چلا ہے کہ مسلمانوں کو دُنیا سے مٹا دے۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ طلحہ بن عبید اللہ نے اُٹھکر کہا کہ امیر المومنین! واقعات نے آپ کو تجربہ کار بنا دیا ہے۔ ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ آپ جو حکم دیں بجالائیں" حضرت عثمانؓ نے کہا کہ "میری رائے ہے کہ شام، یمن، بصرہ کے افسروں کو لکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لیکر عراق کو روانہ ہوں۔ اور آپ خود اہلِ حرم کو لیکر مدینہ سے اُٹھیں کوفہ میں تمام فوجیں آپ کے عَلَم کے نیچے جمع ہوں اور پھر نہاوند کی طرف رُخ کیا جائے" حضرت عثمانؓ کی اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ لیکن حضرت علیؓ چپ تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُن کی طرف دیکھا وہ بولے کہ شام اور بصرہ سے فوجیں ہٹیں تو ان مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ ہوجائیگا اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہوجائیگی اور خود اپنے مُلک کا تھامنا مشکل ہوگا۔ میری رائے ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں اور شام، یمن، بصرہ وغیرہ میں فرمان بھیجدیے جائیں کہ جہاں جہاں جسقدر فوجیں ہیں ایک ایک ثلث ادھر روانہ کر دیجائیں" حضرت عمرؓ نے کہا میری بھی یہی رائے تھی لیکن میں تنہا اسکا فیصلہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اب بحث پیش آئی کہ ایسی بڑی مہم پر سپہ سالار بنکر کون جائے؟ لوگ ہر طرف خیال دوڑاتے تھے لیکن اسدرجہ کا کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ جو لوگ اس منصب کے قابل تھے

وہ اور اور مہمات میں مصروف تھے۔

حضرت عمرؓ کے مراتب کمال میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انھوں نے ملک کے حالات سے ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف انکی نگاہ میں تھے۔ چنانچہ اس موقع پر حاضرین نے خود کہا کہ اسکا فیصلہ آپ سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو انتخاب کیا اور سب نے اسکی تائید کی۔ **نعمان** تیس ہزار کی جمعیت سے کرکوفہ سے روانہ ہوئے۔ اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے جن میں سے حذیفہ بن الیمان عبداللہ بن عمر، جریر بجلی، مغیرہ بن شعبہ، عمرو معدی کرب۔ زیادہ مشہور ہیں۔ نعمان نے جاسوس کو بھیجکر معلوم کیا کہ نہاوند تک راستہ صاف ہے۔ چنانچہ نہاوند تک برابر بڑھتے چلے گئے نہاوند سے نو میل ادھر اسپدہان ایک مقام تھا وہاں پہنچکر پڑاؤ ڈالا۔ ایک بڑی تدبیر حضرت عمرؓ نے یہ کی کہ فارس میں جو اسلامی فوجیں موجود تھیں اُن کو لکھا کہ ایرانی اُس طرف سے نہاوند بڑھنے نہ پائیں۔ اِس طرح دشمن ایک بہت بڑی مدد سے محروم رہ گیا۔

عجم نے نعمان کے پاس سفارت کے لیئے پیغام بھیجا۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہ جو پہلے بھی اس کام کو انجام دے چکے تھے سفیر بن کر گئے۔ عجم نے بڑی شان سے دربار آراستہ کیا، مردان شاہ کو تاج پہنا کر تخت زرّیں پر بٹھایا۔ تخت کے داہیں باہیں ملک ملک کے شاہزادے، دیبائے زرکش کی قبائیں۔ سر پر تاج زر، ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہن کر بیٹھے۔ ان کے پیچھے دور دور تک سپاہیوں کی صفیں قائم ہوئیں جنکی برہنہ تلواروں سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ مردان شاہ نے کہا۔ اہل عرب! سب سے زیادہ بدبخت، سب سے زیادہ فاقہ مست، سب سے زیادہ ناپاک، جو قوم ہو سکتی ہے تم ہو! یہ قدر انداز جو میرے تخت کے گرد کھڑے ہیں ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے۔ لیکن مجکو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے تیر تمہارے

ناپاک خون میں آلودہ ہوں۔ اب بھی اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو میں تم کو معاف کر دوں گا۔" مغیرہ نے کہا ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل و حقیر تھے۔ لیکن اس ملک میں آکر ہم کو دولت کا مزہ پڑ گیا اور یہ مزہ ہم نے اسی وقت چھوڑیں گے جب ہماری لاشیں خاک پر بچھ جائیں۔" غرض سفارت بے حاصل گئی اور دونوں طرف جنگ کی طیاریاں شروع ہو گئیں۔ **نعمان** نے میمنہ اور میسرہ حذیفہ اور سوید بن مقرن کو دیا۔ مجردہ پر قعقاع کو مقرر کیا۔ ساقہ پر مجاشع۔ متعین ہوئے۔ اُدھر میمنہ پر زردک اور میسرہ پر بہمن تھا۔ عجمیوں نے میدان جنگ میں پہلے سے ہر طرف گوکھرو بچھا دیئے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا۔ اور عجمی جب چاہتے تھے شہر سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ نعمان نے یہ حالت دیکھ کر افسروں کو جمع کیا اور سب سے الگ الگ رائے لی۔ طلیحہ بن خالد الاسدی کی رائے کے موافق فوجیں آراستہ ہو کر شہر سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ٹھہریں۔ اور قعقاع کو تھوڑی سی فوج دے کر بھیجا کہ شہر پر حملہ آور ہوں عجمی بڑے جوش سے مقابلے کو نکلے اور اس بندوبست کے لیے کہ کوئی شخص پیچھے نہ ہٹنے پائے۔ جس قدر بڑھتے آتے تھے پیچھے گوکھرو بچھاتے آتے تھے۔ قعقاع نے لڑائی چھیڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا عجمی برابر بڑھتے چلے آئے۔ یہاں تک کہ گوکھرو کی سرحد سے نکل آئے۔ نعمان نے ادھر جو فوجیں جما رکھی تھیں موقع کا انتظار کر رہی تھیں۔ جوں ہی عجمی زد پر آئے انھوں نے حملہ کرنا چاہا۔ لیکن نعمان نے روکا۔ عجمی جو برابر تیر برسا رہے تھے اس سے سینکڑوں ہزاروں مسلمان کام آئے لیکن افسر کی یہ اطاعت تھی کہ زخم کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے۔ مغیرہ بار بار کہتے جاتے تھے کہ فوج بیکار ہوئی جاتی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ لیکن نعمان اس خیال سے دوپہر کے ڈھلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ جب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی وقت کیا کرتے تھے۔ غرض دوپہر ڈھلی تو نعمان نے دستور کے موافق تین نعرے مارے۔ پہلے

نعرہ پر فوج سر و سامان سے درست ہوگئی۔ دوسرے پر لوگوں نے تلواریں تول لیں۔ تیسرے پر دفعتہً حملہ کیا اور اس بے جگری سے ٹوٹ کر گرے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ میدان میں اسقدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے۔ چنانچہ نعمان کا گھوڑا پھسل کر گرا ساتھ ہی خود بھی گرے اور زخموں سے چور ہوگئے۔ انکا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے میں پہچانے جاتے تھے کلاہ اور سفید قبا تھی۔ جوں ہی وہ گھوڑے سے گرے۔ نعیم بن مقرن ان کے بھائی نے علم کو جھپٹ کر تھام لیا اور ان کی کلاہ اور قبا پہن کر ان کے گھوڑے پر سوار ہوگئے۔ اس تدبیر سے نعمان کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا اور لڑائی بدستور قائم رہی۔ اس مبارک زمانے میں مسلمانوں کو خدا نے جو ضبط و استقلال دیا تھا اسکا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوسکتا ہے، نعمان جسوقت زخمی ہوکر گرے تھے اعلان کردیا تھا کہ میں مر بھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی اُن کے پاس سے نکلا، دیکھا تو کچھ سانس باقی ہے اور دم توڑ رہے ہیں۔ گھوڑے سے اُتر کر اُن کے پاس بیٹھنا چاہا کہ اُن کا حکم یاد آگیا۔ اسیطرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سرہانے گیا۔ اُنھوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کہ کیا انجام ہوا؟ اُس نے کہا مسلمانوں کو فتح ہوگئی۔ خدا کا شکر ادا کرکے کہا کہ فوراً عمرؓ کو اطلاع دو۔

رات ہوتے ہوتے عجمیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا۔ حذیفہ بن الیمان نے جو نعمان کے بعد سر لشکر مقرر ہوئے نہاوند پہنچکر مقام کیا یہاں ایک مشہور آتشکدہ تھا، اسکا موبد حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مجکو امن دیا جائے تو میں ایک متاع بے بہا کا پتہ دوں۔ چنانچہ کسریٰ پرویز کے نہایت بیش بہا جواہرات لاکر پیش کئے جسکو کسریٰ نے مشکل وقتوں کے لئے محفوظ رکھا تھا۔ حذیفہ نے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور

پانچواں حصہ مع جواہرات کے حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت عمرؓ کو ہفتوں سے لڑائی کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ قاصد نے مژدۂ فتح سنایا تو بے انتہا خوش ہوئے۔ لیکن جب نعمان کا شہید ہونا ہونا سنا تو بے اختیار رو پڑے۔ اور دیر تک سر پر ہاتھ رکھ کر روتے رہے۔ قاصد نے اور شہدا کے نام گنائے اور کہا کہ بہت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جنکو میں نہیں جانتا۔ حضرت عمرؓ پھر روئے اور فرمایا کہ "عمر نہ جانے تو نہ جانے خدا اُنکو جانتا ہے"۔ جواہرات کو دیکھ کر غصہ سے کہا کہ فوراً واپس لے جاؤ اور حذیفہ سے کہو کہ بیچ کر فوج کو تقسیم کر دیں۔ چنانچہ یہ جواہرات چار کرور درہم کو فروخت ہوئے۔

اس لڑائی میں قریباً تیس ہزار عجمی لڑکر مارے گئے۔ اس معرکہ کے بعد عجم نے پھر کبھی زور نہیں پکڑا۔ چنانچہ عرب نے اس فتح کا نام **فتح الفتوح** رکھا۔ **فیروز** جسکے ہاتھ پر حضرت فاروقؓ کی شہادت لکھی تھی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

عام لشکر کشی سنہ ۲۱ھ ۶۴۲ء

اسوقت تک حضرت عمرؓ نے ایران کی عام تسخیر کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اَب تک جو لڑائیاں ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لیئے تھیں۔ عراق البتہ ممالک محروسہ میں اضافہ کر لیا گیا تھا لیکن وہ درحقیقت عرب کا ایک حصہ تھا کیونکہ اسلام سے پہلے اُس کے ہر حصہ میں عرب آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھ کر جو لڑائیاں ہوئیں وہ عراق کے سلسلے میں خود بخود پیدا ہوتی گئیں۔ حضرت عمرؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے بیچ میں آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم اُنپر چڑھ کر جا سکتے"۔

لیکن ایرانیوں کو کسی طرح چین نہیں آتا تھا۔ وہ ہمیشہ نئی فوجیں تیار کر کے مقابلے پر آتے تھے اور جو ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے وہاں غدر کروا دیا کرتے تھے نہاوند

اس کے معرکے سے حضرت عمرؓ کو اس پر خیال ہوا اور اکابر صحابہ کو بلا کر پوچھا کہ ممالک مفتوحہ میں بار بار بغاوت کیوں ہو جاتی ہے؟ لوگوں نے کہا جب تک یزدگرد ایران کی حدود سے نکل نہ جائے یہ فتنہ فرو نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ خیال رہیگا کہ **تخت کیان** کا وارث موجود ہے اسوقت تک اُن کی اُمیدیں منقطع نہیں ہو سکتیں۔

اس بنا پر حضرت عمرؓ نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کیے اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور افسروں کے پاس بھیجے۔ چنانچہ خراسان کا علم احنف بن قیس کو، سابور و اردشیر کا مجاشع بن مسعود کو، اصطخر کا عثمان بن العاص الثقفی کو، فسا کا ساریہ بن زُہیم الکنانی کو، کرمان کا سہیل بن عدی کو، سیستان کا عاصم بن عمرو کو، مکران کا حکم بن عمیر التغلبی کو آذربیجان کا عتبہ کو عنایت کیا۔ ۲۱ھ میں یہ افسر اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہوئے چنانچہ ہم انکو الگ الگ ترتیب کے ساتھ لکھتے ہیں۔

فتوحات کے اس سلسلے میں سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے۔ ۲۱ھ میں عبد اللہ بن عبد اللہ نے اس صوبہ پر چڑھائی کی۔ یہاں کے رئیس نے جسکا نام استندار تھا اصفہان کے نواحی میں بڑی جمعیت فراہم کی تھی۔ جسکے ہراول پر شہر براز جادویہ ایک پرانا تجربہ کار افسر تھا۔ دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو جادویہ نے میدان میں آکر پکارا کہ جسکو دعوے ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے عبد اللہ خود مقابلے کو نکلے۔ جادویہ مارا گیا۔ اور ساتھ ہی لڑائی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ استندار نے معمولی شرائط پر صلح کر لی۔ عبد اللہ نے آگے بڑھ کر جے یعنی خاص اصفہان کا محاصرہ کیا۔ فاذوسفان یہاں کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ دوسروں کی جانیں کیوں ضائع ہوں، ہم تم لڑ کر خود فیصلہ کر لیں دونوں حریف میدان میں آئے۔ فاذوسفان نے تلوار کا وار کیا۔ عبد اللہ نے اس پامردی سے اُس کے حملہ کا مقابلہ کیا کہ فاذوسفان کے مونھ سے بے اختیار آفرین نکلی اور کہا کہ میں تم سے

لڑنا نہیں چاہتا۔ بلکہ شہر اس شرط پر حوالہ کرتا ہوں کہ باشندوں میں سے جو چاہے جزیہ دیکر شہر میں رہے اور جو چاہے نکل جائے۔ عبداللہ نے یہ شرط منظور کی اور معاہدۂ صلح لکھدیا۔

اسی اثنا میں خبر لگی کہ ہمدان میں غدر ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے نعیم بن مقرن کو اُدھر روانہ کیا۔ اُنھوں نے بارہ ہزار کی جمعیت سے ہمدان پہنچکر محاصرہ کے سامان کئے لیکن جب محاصرہ میں دیر لگی تو اضلاع میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں۔ یہاں تک کہ ہمدان چھوڑکر باقی تمام مقامات فتح ہوگئے۔ یہ حالت دیکھ کر محصوروں نے بھی ہمت ہار دی اور صلح کرلی۔ ہمدان فتح ہوگیا لیکن دیلم نے رے و آذربیجان وغیرہ سے نامہ و پیام کرکے ایک بڑی فوج فراہم کی۔ ایک طرف سے فرخان کا باپ زینبدی جو رے کا رئیس تھا انبوہ کثیر لے کر آیا۔ دوسری طرف آذربیجان سے اسفندیار رستم کا بھائی پہنچا۔ وادی رود میں یہ فوجیں جمع ہوئیں۔ اور اس زور کا رن پڑا کہ لوگوں کو نہاوند کا معرکہ یاد آگیا۔ آخر دیلم نے شکست کھائی۔ عروہ جو واقعہ جسر میں حضرت عمرؓ کے پاس شکست کی خبر لیکر گئے تھے اس فتح کا پیام لیکر گئے کہ اُس دن کی تلافی ہوجائے۔ حضرت عمرؓ دیلم کی تیاریاں سُنکر نہایت تردد میں تھے۔ اور امداد کا سامان کررہے تھے۔ کہ دفعتہً عروہ پُہنچے۔ حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ شگون اچھا نہیں۔ بے ساختہ زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ نکلا۔ عروہ نے کہا آپ گھبرائیں نہیں۔ خدا نے مُسلمانوں کو فتح دی۔

حضرت عمرؓ نے نعیم کو نامہ لکھا کہ ہمدان پر کسی کو اپنا قائم مقام کرکے رے کو روانہ ہوں۔ رے کا حاکم اُس وقت سیاوش تھا جو بہرام چوبین کا پوتا تھا۔ اُس نے دنباوند۔ طبرستان۔ قومس۔ جرجان کے رئیسوں سے مدد طلب کی۔ اور ہر جگہ سے امدادی فوجیں آئیں۔ لیکن زینبدی جسکو سیاوش سے کچھ ملال تھا نعیم بن مقرن سے آملا۔ اُسکی سازش سے شہر پر حملہ ہوا۔ اور حملہ کے ساتھ دفعتہً شہر فتح ہوگیا۔ نعیم نے زینبدی کو رے کی ریاست دی اور پرانے شہر کو برباد کرکے حکم دیا کہ نئے

سر سے آباد کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق نعیم نے خود رے ہی میں قیام کیا۔ اور اپنے بھائی سوید کو قومس پر بھیجا جو بغیر کسی جنگ کے فتح ہو گیا۔ اس فتح کے ساتھ عراق عجم پر پورا پورا قبضہ ہو گیا۔

آذربیجان ۲۲ھ
۶۴۳ء

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں حضرت عمرؓ نے آذربیجان کا علم عتبہ (بن فرقد) اور بکیر کو بھیجا تھا اور اُن کے بڑھنے کی سمتیں بھی متعین کر دی تھیں۔ بکیر جرمیدان میں پہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا۔ اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہو گیا۔ دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام عتبہ کا سدِراہ ہوا۔ لیکن وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفندیار نے بھائی کی شکست[1] کی خبر سنی تو بکیر سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی۔ اور میں جزیہ پر تم سے صلح کر لیتا ہوں۔ چونکہ آذربیجان انہی دونوں بھائیوں کے قبضہ میں تھا۔ عتبہ نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آذربیجان کا رئیس رہ کر جزیہ ادا کرتا رہے۔ مؤرخ بلاذری کا بیان ہے کہ آذربیجان کا علم۔ حذیفہ بن یمان کو ملا تھا۔ وہ نہاوند سے چلکر اردبیل پہنچے جو آذربیجان کا پایہ تخت تھا۔ یہاں کے رئیس نے باجروان۔ میمند۔ سراۃ سبز۔ میانج وغیرہ سے ایک انبوہِ کثیر جمع کر کے مقابلہ کیا اور شکست کھائی پھر آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ حذیفہ نے اس کے بعد موقان و جیلانی پر حملہ کیا اور فتح کے پھریرے اُڑائے۔

اسی اثنا میں دربارِ خلافت سے حذیفہ کی معزولی کا فرمان پہنچا اور عتبہ بن فرقد ان کی جگہ پر مقرر ہوئے عتبہ کے پہنچتے پہنچتے آذربیجان کے تمام اطراف میں بغاوت پھیل چکی تھی چنانچہ عتبہ نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا۔

---

[1] نقشہ دیکھنے سے آذربیجان کا پتہ اس طرح لگیگا کہ شہر تبریز کو اُسکا صدر مقام سمجھنا چاہیئے۔ سابق میں شہر مراغہ دارالصدر تھا۔ بردعہ اور اردبیل اسی صوبہ میں آباد ہیں۔ آذربیجان کی وجہ تسمیہ میں دو روائتیں ہیں ایک یہ کہ موبد آذرآباد نے ایک آتشکدہ بنایا تھا جسکا نام آذرآبادگان تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ لغت پہلوی میں آذر کے معنے آتش کے ہیں اور بائیگان کے معنے ہیں محافظ یعنی نگاہ دارندۂ آتش چونکہ اس صوبہ میں آتشکدوں کی کثرت تھی اسوجہ سے یہ نام ہو گیا جسکو عربوں نے اپنی زبان میں آذربیجان کر لیا۔ ۱۲

طبرستان ۲۲ھ ۶۴۳ء [۵۱]

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نعیم نے جب رَے فتح کر لیا تو اُن کے بھائی سوید۔ قومس پر بڑھے اور یہ وسیع صوبہ بغیر جنگ و جدل کے قبضہ میں آگیا۔ یہاں سے جرجان جو طبرستان کا مشہور ضلع ہے نہایت قریب ہے۔ سوید نے وہاں کے رئیس روزبان سے نامہ و پیام کیا۔ اُس نے جزیہ پر صلح کر لی اور معاہدۂ صلح میں تصریح لکھدیا گیا کہ مسلمان جرجان اور دہستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہیں اور ملک والوں میں جو لوگ بیرونی حملوں کے روکنے میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے وہ جزیہ سے بری ہیں۔ جرجان کی خبر سُن کر طبرستان کے رئیس نے بھی جو سپہدار کہلاتا تھا اس شرط پر صلح کر لی کہ پانچ لاکھ درہم سالانہ دیا کرے گا۔ اور مسلمانوں کو اُسپر یا اُن کو مسلمانوں پر کچھ حق نہ ہوگا۔

آرمینیہ [۵۲]

بکیر جو آذربیجان کی مہم پر مامور ہوئے تھے آذربیجان فتح کر کے باب کے متصل پہنچ گئے تھے کہ حضرت عمرؓ نے ایک نئی فوج تیار کر کے انکی مدد کو بھیجی۔ باب کا رئیس جسکا نام شہر براز تھا مجوسی تھا اور سلطنتِ ایران کا ماتحت تھا۔ مسلمانوں کی آمد سُنکر خود حاضر ہوا اور کہا کہ مجکو آرمینیہ کے کمینوں سے کچھ ہمدردی نہیں ہے۔ میں ایران کی نسل سے ہوں اور جب خود ایران فتح ہو چکا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں۔ لیکن میری درخواست ہے کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے بلکہ جب ضرورت پیش

---

۵۱ نقشہ میں صوبۂ طبرستان فتوحاتِ عثمانی میں ملیگا اسلیئے کہ خلافتِ فاروقی میں جزیہ لیکر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اسکی حدود اربعہ یہ ہیں مشرق میں خراسان، مغرب میں آذربیجان، شمال میں بحر جرجان اور جنوب میں بلادِ جبل۔ بسطام و استرآباد اس کے مشہور شہر ہیں ۱۲

۵۲ صوبۂ آرمینیہ کو بلادِ ارمن بھی کہتے ہیں جو ایشیائے کوچک کا ایک حصہ ہے۔ شمال میں بحرِ اسود، جنوب میں کوہی اور صحرائی حصہ دور تک چلا گیا ہے مشرق میں گرجستان اور مغرب میں بلادِ روم واقع ہیں۔ چونکہ یہ صوبہ خلافتِ عثمانی میں کامل فتح ہوا تھا اس لیے نقشہ میں فاروقی رنگ سے جدا ہے ۱۲

پیش آئے تو فوجی امداد دیجائے۔ چونکہ جزیہ درحقیقت صرف محافظت کا معاوضہ ہے اس لیے یہ شرط منظور کر لی گئی۔ اس سے فارغ ہو کر فوجیں آگے بڑھیں۔ عبد الرحمن بن ربیعہ بلنجر کی طرف جو مملکت خزر کا پایۂ تخت تھا روانہ ہوئے۔ شہر براز ساتھ تھا اس نے تعجب سے کہا کہ کیا ارادہ ہے؟ ہم لوگ اپنے عہد میں اسی کو غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر چڑھ کر نہ آئیں۔ عبد الرحمن نے کہا لیکن میں جب تک اس کے جگر میں نہ گھس جاؤں باز نہیں آسکتا۔ چنانچہ بیضا فتح کیا تھا کہ خلافت فاروقی کا زمانہ تمام ہو گیا۔ ادھر بکیر نے قان کو جہاں سے اران کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کر کے اسلام کی سلطنت میں ملا لیا۔ حبیب بن مسلمۃ اور حذیفہ نے تفلیس اور جبال اللان کا رخ کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہاں اسلام کا پھریرا اڑتا۔ حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ ہوچکا۔ چنانچہ یہ ناتمام مہمات حضرت عثمان کے عہد میں انجام کو پہنچیں۔

فارس سنہ ۲۳ھ
۶۴۴ء

فارس پر اگرچہ اوّل اوّل سنہ ۱۷ھ میں حملہ ہوا لیکن چونکہ حضرت عمر کی اجازت سے نہ تھا اور نہ اسوقت چنداں کامیابی ہوئی ہم نے اس لڑائی کے واقعات کے ساتھ اسکو لکھنا مناسب سمجھا۔ عراق اور اہواز جو عرب کے ہمسایہ تھے فتح ہوچکے تو حضرت عمر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "ہمارے اور فارس کے بیچ میں آتشیں پہاڑ حائل ہوتا تو اچھا تھا" لیکن فارس سے ایک اتفاقی طور پر جنگ چھڑ گئی۔ علاء بن الحضرمی سنہ ۱۷ھ میں بحرین کے عامل مقرر ہوئے۔ وہ بڑی ہمت اور حوصلہ کے آدمی تھے اور چونکہ سعد وقاص سے بعض اسباب کی وجہ سے رقابت تھی ہر میدان میں ان سے بڑھ کر قدم

ف: حال کے جغرافیہ میں عراق کی حدود گھٹا کر فارس کی حدود بڑھا دی گئی ہیں مگر ہم نے جس وقت کا نقشہ دیا ہے اسوقت فارس کے حدود یہ تھے شمال میں اصفہان، جنوب میں بحر فارس، مشرق میں کرمان اور مغرب میں عراق عرب۔ اسکا سب سے بڑا اور مشہور شہر شیراز ہے ۱۲

مارنا چاہتے تھے۔ سعد نے جب قادسیہ کی لڑائی جیتی تو علاء کو سخت رشک ہوا۔ یہاں تک کہ دربار خلافت سے اجازت تک نہ لی اور فوجیں تیار کر کے دریا کی راہ فارس پر چڑھائی کر دی۔ خلید بن منذر سر لشکر تھے اور جارود بن المعلی اور سوار بن ہمام کے ماتحت الگ الگ فوجیں تھیں۔ اصطخر پہنچ کر جہاز نے لنگر کیا اور فوجیں کنارے پر اتریں۔ یہاں کا حاکم ایک ہیربد تھا وہ ایک انبوہ کثیر لے کر پہنچا اور دریا اتر کر اس پار صفیں قائم کیں کہ مسلمان جہاز تک پہنچنے نہ پائیں اگرچہ مسلمانوں کی جمعیت نہایت کم تھی اور جہاز بھی گویا دشمن کے قبضہ میں آ گئے تھے لیکن سپہ سالار فوج کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا۔ بڑے جوش کے ساتھ مقابلہ کو بڑھے اور فوج کو للکارا کہ مسلمانو! بیدل نہ ہونا۔ دشمن نے ہمارے جہازوں کو چھیننا چاہا ہے لیکن خدا نے چاہا تو جہاز کے ساتھ دشمن کا ملک بھی ہمارا ہے۔ خلید اور جارود بڑی جانبازی سے رجز پڑھ پڑھ کر لڑے اور ہزاروں کو تہ تیغ کیا۔ خلید کا رجز تھا۔

یا آل عبد القیس للنزاع ۔۔۔ قد حفل الامداد بالجراع

وکلھم فی سنن المصاع ۔۔۔ بحسن ضرب القوم بالقطاع

غرض سخت معرکہ ہوا اگرچہ فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی لیکن چونکہ فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا آگے نہ بڑھ سکے پیچھے ہٹنا چاہا مگر غنیم نے جہازات غرق کر دیئے تھے مجبور ہو کر خشکی کی راہ بصرہ کا رخ کیا۔ بدقسمتی سے ادھر بھی راہیں بند تھیں۔ ایرانیوں نے پہلے سے ہر طرف ناکے روک رکھے تھے اور جا بجا فوجیں متعین کر دی تھیں۔

حضرت عمرؓ کو فارس کے حملہ کا حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے۔ علاء کو نہایت تہدید کا نامہ لکھا۔ ساتھ ہی عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ مسلمانوں کے بچانے کے لیئے فوراً لشکر تیار ہو اور فارس پر جائے۔ چنانچہ بارہ ہزار فوج جس کے سپہ سالار ابو سبرہ تھے تیار ہو کر فارس پر بڑھی اور مسلمان

جہاں رُک گئے پڑے تھے وہاں پہنچکر ڈیرے ڈالے۔ اُدھر مجوسیوں نے ہر طرف نقیب دوڑا دیئے تھے اور ایک انبوہِ کثیر جسکا سرِ لشکر شہرک تھا اکھٹا کر لیا تھا۔ دونوں حریف دل توڑ کر لڑے بالآخر ابو سبرہ نے فتح حاصل کی۔ لیکن چونکہ آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا بصرہ واپس چلے آئے۔ واقعہ نہاوند کے بعد جب حضرت عمرؓ نے ہر طرف فوجیں روانہ کیں تو فارس پر بھی چڑھائی کی اور جدا جدا فوجیں متعین کیں۔ پارسیوں نے توج کو صدر مقام قرار دیکر یہاں بڑا سامان کیا تھا لیکن جب اسلامی فوجیں مختلف مقامات میں پھیل گئیں تو انکو بھی منتشر ہونا پڑا اور یہ انکی شکست کا دیباچہ تھا۔ چنانچہ سابور۔ اردشیر۔ توج۔ اصطخر سب باری باری فتح ہو گئے لیکن حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت یعنی سنہ ۲۳ھ میں جب عثمان بن ابی العاص بحرین کے عامل مقرر ہوئے تو شہرک نے جو فارس کا مرزبان تھا بغاوت کی اور تمام مفتوحہ مقامات ہاتھ سے نکل گئے۔ عثمان نے اپنے بھائی حکم کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ اس مہم پر مامور کیا۔ حکم جزیرہ ابرکاوان فتح کر کے توج پر بڑھے اور اس کو فتح کر کے وہیں چھاؤنی ڈال دی۔ مسجدیں تعمیر کیں اور عرب کے بہت سے قبائل آباد کیے یہاں سے کبھی کبھی اُٹھ کر سرحدی شہروں پر حملہ کرتے اور پھر واپس آجاتے۔ اس طرح اردشیر۔ سابور۔ اصطخر۔ ارجان کے بہت سے حصے دبا لیے۔ شہرک یہ دیکھ کر نہایت طیش میں آیا اور ایک فوجِ عظیم جمع کر کے توج پر بڑھا۔ راشہر پہنچا تھا کہ ادھر سے حکم خود آگے بڑھکر مقابل ہوئے۔ شہرک نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی۔ ایک دستہ سب سے پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی پیچھے پاؤں ہٹائے تو وہیں قتل کر دیا جائے۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست ہوئی اور شہرک جان سے مارا گیا۔ اس کے بعد عثمان نے ہر طرف فوجیں بھیجدیں، اس معرکہ سے تمام فارس میں دھاک پڑگئی۔ عثمان نے جس طرف رُخ کیا ملک کے ملک فتح ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ گازرون نوبندجان۔ ارجان۔ شیراز۔ سابور۔ جو فارس کے صدر مقامات ہیں خود عثمان کے ہاتھ سے فتح

ہوئے۔ فسا۔ دارابجرد وغیرہ پر فوجیں گئیں اور کامیاب آئیں۔

کرمان[1] سنہ ۲۳ھ
۶۴۴ء

کرمان کی فتح پر سہیل بن عدی مامور ہوئے تھے چنانچہ سنہ ۲۳ھ میں ایک فوج لیکر جسکا ہراول بشیر بن عمر العجلی کی افسری میں تھا کرمان پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے مرزبان نے قفص وغیرہ سے مدد طلب کر کے مقابلہ کیا۔ لیکن وہ خود میدان جنگ میں نسیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ چونکہ آگے کچھ روک ٹوک نہ تھی جیرفت اور سیرجان تک فوجیں بڑھتی چلی گئیں اور بیشمار اونٹ اور بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ جیرفت کرمان کا تجارتگاہ اور سیرجان کرمان کا سب سے بڑا شہر تھا"

سیستان[2] سنہ ۲۳ھ
۶۴۴ء

یہ ملک عاصم بن عمر کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ باشندے سرحد پر برائے نام لڑکر بھاگ نکلے عاصم برابر بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ زرنج کا جو سیستان کا دوسرا نام ہے محاصرہ کیا۔ محصوروں نے چند روز کے بعد اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ ان کی تمام اراضی حمی سمجھی جائے۔ مسلمانوں نے یہ شرط منظور کر لی اور اس طرح وفا کی کہ جب مزروعات کی طرف نکلتے تھے تو جلدی سے گذر جاتے تھے کہ زراعت چھو تک نہ جائے۔ اس ملک کے قبضے میں آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لیکر نہر بلخ تک جسقدر ممالک تھے ان کی فتح کی کلید ہاتھ میں آگئی چنانچہ وقتاً

شرائط صلح سیستان کا نسخہ

[1] اسکا قدیم نام کرمانیہ ہے حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں کوہستان، جنوب میں بحر عمان، مشرق میں سیستان اور مغرب میں فارس ہے زمانہ سابق میں اسکا دارالصدر کواشیر (یعنی سیرجان) تھا جسکی جگہ اب جیرفت آباد ہے ۱۲ [2] سیستان کو عرب میں سجستان کہتے ہیں۔ حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں ہرات، جنوب میں مکران، مشرق میں سندھ اور مغرب میں کوہستان ہے۔ مشہور شہر زرنج ہے جہاں میوہ افراط سے پیدا ہوتا ہے۔ رقبہ ۲۵۰۰۰ میل مربع ہے ۱۲

فوقتاً ان ملکوں پر حملے ہوتے رہتے تھے۔

مکران سنہ ۲۳ ہجری ۶۴۴ء

مکران پر حکم بن عمرو تغلبی مامور ہوئے تھے چنانچہ سنہ ۲۳ھ میں روانہ ہوکر نہر مکران کے اس طرف فوجیں اُتاریں۔ مکران کا بادشاہ جسکا نام راسل تھا خود پار اُتر کر آیا اور صف آرائی کی ایک بڑی جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی اور مکران پر قبضہ ہوگیا۔ حکم نے نامۂ فتح کے ساتھ چند ہاتھی بھی جو لوٹ میں آئے تھے دربارِ خلافت میں بھیجے۔ صحار عبدی جو نامۂ فتح لیکر گئے تھے حضرت عمرؓ نے اُن سے مکران کا حال پوچھا۔ اُنھوں نے کہا ارض سهلها جبل وماءها وشل وتمرها دقل وعدوها بطل وخيرها قليل وشرها طويل والكثير بها قليل۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا واقعات کے بیان میں قافیہ بندی کا کیا کام ہے۔ اُنھوں نے کہا میں واقعی حالات بیان کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ فوجیں جہاں تک پہنچ چکی ہیں وہیں رک جائیں چنانچہ فتوحاتِ فاروقی کی اخیر حد یہی مکران ہے لیکن یہ طبری کا بیان ہے۔ مؤرخ بلاذری کی روایت ہے کہ دیبل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آئیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ و ہند میں بھی آچکا تھا۔

خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت سنہ ۲۲ھ ۶۴۴ء

۱؎ آجکل مکران کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہے اگرچہ مؤرخ بلاذری فتوحاتِ فاروقی کی حد سندھ کے شہر دیبل تک لکھتا ہے مگر طبری نے مکران ہی کو اخیر حد قرار دیا ہے۔ اسیلئے ہمنے بھی نقشہ میں فتوحاتِ فاروقی کی وہیں تک حد قرار دی ہے ۱۲

۲؎ علامہ بلاذری کے نزدیک تمام ماوراء النہر، زنجانہ، خوارزم، طخارستان اور سیستان دفعۂ خراسان میں داخل تھا۔ مگر اصل یہ ہے کہ اس کے حدود و ہر زمانے میں مختلف رہے ہیں اسکے مشہور شہر نیشاپور، مرو، ہرات، بلخ، طوس، نسا اور ابی ورد وغیرہ تھے جن میں سے پچھلے دو اب بالکل ویران ہیں ۱۲

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جن جن افسروں کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے انمیں احنف بن قیس بھی تھے اور انکو خراسان کا علم عنایت ہوا تھا احنف نے سنہ ۲۲ھ میں خراسان کا رُخ کیا، طبسین ہوکر ہرات پہنچے اور اسکو فتح کرکے مروشاہجہاں پر بڑھے یزدگرد شاہنشاہ فارس یہیں مقیم تھا۔ انکی آمد سُنکر وہ مرورود چلا گیا اور خاقان چین اور دیگر سلاطین کو استمداد کے نامے لکھے احنف نے مروشاہجہاں پر حارثہ بن النعمان باہلی کو چھوڑا اور خود مرورود کی طرف بڑھے۔ یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا اور سیدھا بلخ پہنچا۔ اس اثنا میں کوفہ سے امدادی فوجیں آگئیں جنکے میمنہ و میسرہ وغیرہ کے افسر علقمہ بن النضری۔ ربعی بن عامر التمیمی۔ عبداللہ بن ابی عقیل الثقفی۔ ابن ام غزال الہمدانی۔ تھے احنف نے تازہ دم فوج لیکر بلخ پر حملہ کیا۔ یزدگرد نے شکست کھائی اور دریا اُتر کر خاقان کی حکومت میں چلا گیا۔ احنف نے میدان خالی پاکر ہر طرف فوجیں بھیجدیں اور نیشاپور سے طخارستان تک فتح کرلیا۔ مرورود کو تخت گاہ قرار دے کر مقام کیا۔ اور حضرت عمرؓ کو نامہ لکھا کہ خراسان اسلام کے قبضہ میں آگیا۔ حضرت عمرؓ فتوحات کی وسعت کو چنداں پسند نہیں کرتے تھے خط پڑھ کر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے بیچ میں آگ کا دریا حائل ہوتا تو خوب ہوتا۔ احنف کے مردانہ حوصلوں کی اگرچہ بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ احنف شرقیوں کا سرتاج ہے تاہم جواب میں جو نامہ لکھا اُسمیں لکھا کہ جہاں تک پہنچ چکے ہو وہاں سے آگے نہ بڑھنا۔ اُدھر یزدگرد خاقان کے پاس گیا تو اُس نے بڑی عزت و توقیر کی اور ایک فوج کثیر ہمراہ لیکر یزدگرد کے ساتھ ساتھ خراسان کو روانہ ہوا۔ احنف چوبیس ہزار فوج کے ساتھ بلخ میں مقیم تھے خاقان کی آمد سُنکر مرورود کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچکر مقام کیا۔ خاقان۔ بلخ ہوتا ہوا مرورود پہنچا۔ یزدگرد خاقان سے الگ ہوکر مروشاہجہاں کی طرف بڑھا۔ احنف نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ نہر اُتر کر ایک میدان میں جسکی پشت پر پہاڑ تھا صف آرائی کی۔ دونوں فوجیں مدت تک آمنے سامنے صفیں

جمائے پڑی رہیں۔ عجمی صبح اور شام ساز و سامان سے آراستہ ہو کر میدانِ جنگ میں جاتے تھے اور چونکہ اِدھر سے کچھ جواب نہیں دیا جاتا تھا بغیر لڑے بھڑے واپس آجاتے تھے۔ ترکوں کا عام دستور ہے کہ پہلے تین بہادر میدانِ جنگ میں باری باری طبل و دمامہ کے ساتھ جاتے ہیں پھر سارا لشکر جنبش میں آتا ہے۔ ایک دن احنف خود میدانِ جنگ میں گئے۔ اُدھر سے معمول کے موافق ایک ترک طبل و علم کے ساتھ نکلا۔ احنف نے حملہ کیا اور دیر تک ردّ و بدل رہی آخر احنف نے ایک برچھی ماری۔ ترک زمین پر گر کر مر گیا۔ احنف نے جوش میں آکر کہا۔

ان علیٰ کل رئیس حقًا ان یخضب الصعدۃ او یندقا

قاعدے کے موافق دو اور بہادر ترک میدان میں آئے۔ اور احنف کے ہاتھ سے مارے گئے۔ خاقان جب خود میدان میں آیا تو اپنے بہادروں کی لاشیں میدان میں پڑی دیکھیں۔ چونکہ شگون بُرا تھا۔ نہایت پیچ و تاب کھایا اور فوج سے کہا کہ ہم بےفائدہ، پرایا جھگڑا کیوں مول لیں۔ چنانچہ اُسیوقت کوچ کا حکم دیدیا۔

یزدگرد مرو شاہجہان کا محاصرہ کئے پڑا تھا کہ یہ خبر پہنچی۔ فتح سے نا اُمید ہو کر خزانہ اور جواہرخانہ ساتھ لیا اور ترکستان کا قصد کیا۔ درباریوں نے یہ دیکھ کر کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے روکا اور جب اُسنے نہ مانا تو برسرِ مقابلہ آکر تمام مال اور اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا۔ یزدگرد بے سر و سامان، خاقان کے پاس پہنچا اور حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت فرغانہ میں جو خاقان کا دارالسلطنت تھا مقیم رہا۔ احنف نے حضرت عمرؓ کو فتح کا نامہ لکھا۔ قاصد مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے مژدۂ فتح سنایا اور ایک پُراثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کے ہاتھ میں دیدیگا۔

مصر کی فتح سنہ ۲۰ھ
۶۴۱ء

مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کارناموں میں داخل ہے لیکن اس کے بانی مبانی عمرو بن العاص تھے۔ وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصر اُن کی تجارت کا جولانگاہ تھا اُس زمانے میں مصر کی نسبت گو اس قسم کا خیال بھی ان کے دل میں نہ گزرا ہوگا لیکن اُسکی زرخیزی اور شادابی کی تصویر ہمیشہ انکی نظر میں پھرتی رہتی تھی حضرت عمرؓ نے شام کا اخیر سفر کیا اسمیں یہ اُن سے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے۔ احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا لیکن آخر اُن کے اصرار پر راضی ہوگئے اور چار ہزار فوج ساتھ کردی، اسپر بھی اُنکا دل مطمئن نہ تھا۔ عمرو سے کہا کہ خدا کا نام لے کر روانہ ہو۔ لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو الٹے پھر آنا۔ عریش پہنچے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خط پہنچا۔ اگرچہ اسمیں آگے بڑھنے سے روکا تھا لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا عمرو نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد میں آپہنچے۔[1]

غرض عریش سے چلکر فرما پہنچے۔ یہ شہر بحر روم کے کنارے پر واقع ہے اور گو اب ویران پڑا ہے لیکن اُس زمانے میں آباد تھا اور جالینوس کی زیارتگاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شہر گنا جاتا تھا۔ یہاں سرکاری فوج رہتی تھی۔ اُس نے شہر سے نکلکر مقابلہ کیا اور ایک مہینے تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ بالآخر رومیوں نے شکست کھائی۔ عمرو۔ فرما سے چل کر بلبیس اور اُم دنین کو فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے۔ فسطاط۔ اُس زمانے میں کف دست میدان تھا اور اُس قطعہ زمین کا

---

[1] مقریزی وغیرہ میں لکھا ہے کہ قاصد مقام رفح میں عمرو سے ملا۔ اُنھوں نے اس خیال سے کہ آگے بڑھنے سے منع کیا ہوگا قاصد سے خط نہیں لیا اور کہا کہ جلدی کیا ہے منزل پر پہنچکر لیلوں گا۔ عریش کے قریب پہنچے تو خط لے کر کھولا اور پڑھ کر کہا کہ امیر المؤمنین نے لکھا ہے کہ مصر نہ پہنچ چکے ہو تو لوٹ جانا لیکن ہم تو مصر کی حد میں آپہنچے، لیکن عمرو بن العاص کی نسبت ایسی حیلہ بازی کے اتہام کی کیا ضرورت ہے اور بلاذری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ خط اُنکو عریش ہی میں ملا۔ لیکن رفح میں ملا ہو تب بھی کچھ ہرج نہیں۔ کیونکہ رفح خود مصر میں داخل ہے ۱۲

نام تھا جو دریائے نیل اور جبل مقطم کے بیچ میں واقع ہے اور جہاں اُسوقت زراعت کے کھیت یا چراگاہ کے تختے تھے لیکن چونکہ یہاں سرکاری قلعہ تھا اور رومی سلطنت کے حکام جو مصر میں رہتے تھے یہیں رہا کرتے تھے اسکے علاوہ چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا اور جہازات و کشتیاں قلعہ کے دروازے پر آکر لگتی تھیں ان وجوہ سے سرکاری ضرورتوں کے لیئے نہایت مناسب مقام تھا۔ عمرو نے اول اسی کو تاکا۔ اور محاصرہ کی تیاریاں شروع کیں۔

مقوقس جو مصر کا فرماں روا اور قیصر کا باج گزار تھا عمرو بن العاص سے پہلے قلعہ میں پہنچ چکا تھا اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت دیکھ کر عمرو نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا اور اعانت طلب کی۔ انھوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے۔ یہ افسر زبیر بن العوام۔ عبادہ بن الصامت۔ مقداد بن عمر۔ سلمہ بن مخلد تھے۔ زبیر کا جو رتبہ تھا اُس کے لحاظ سے عمرو نے اُن کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیدیئے، انھوں نے گھوڑے پر سوار ہوکر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا۔ مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کیئے اس کے ساتھ منجنیقوں سے پتھر برسانے شروع کیئے۔ اسپر پورے سات مہینے گزر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ زبیر نے ایک دن تنگ آکر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں۔ یہ کہکر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہ نے انکا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچکر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کیئے، ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے۔ بدحواس ہوکر بھاگے ادھر زبیر نے فصیل سے اُتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور تمام فوج اندر گھس آئی۔ مقوقس نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور اُسی وقت سب کو امان دیدی گئی۔

ایک دن عیسائیوں نے عمرو بن العاص اور افسرانِ فوج کی بڑی دھوم دھام سے دعوت کی
عمرو بن العاص نے قبول کیا اور سلیقہ شعار لوگوں کو ساتھ لے گئے۔

دوسرے دن عمرو نے اُن لوگوں کی دعوت کی۔ رومی بڑے تزک و احتشام سے آئے اور مخملی
کرسیوں پر بیٹھے۔ کھانے میں خود مسلمان بھی شریک تھے اور جیسا کہ عمرو نے پہلے سے حکم دیدیا
تھا۔ سادہ عربی لباس میں تھے اور عربی انداز اور عادت کے موافق کھانے پر بیٹھے۔ کھانا بھی سادہ
یعنی معمولی گوشت اور روٹی تھی عربوں نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوٹیاں شوربے میں ڈبو کر
اس زور سے دانتوں سے نوچتے تھے کہ شوربے کی چھینٹیں اُڑ کر رومیوں کے کپڑوں پر پڑتی تھیں
کھانے کے بعد رومیوں نے کہا وہ لوگ کہاں ہیں جو کل ہماری دعوت میں شریک تھے۔ یعنی وہ
ایسے گنوار و بے سلیقہ نہ تھے۔ عمرو نے کہا "وہ اہل الرای تھے اور یہ سپاہی ہیں"۔

مقوقس نے اگرچہ تمام مصر کے لیے معاہدۂ صلح لکھوایا تھا لیکن ہرقل کو جب خبر ہوئی تو اس نے
نہایت ناراضی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ قبطی اگر عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد کیا کم
تھی۔ اسی وقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ پہنچکر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار ہو

اسکندریہ کی فتح ۲۱ھ ۶۴۱-۴۲ء

فسطاط کی فتح کے بعد عمرو نے چند روز تک یہاں قیام کیا اور یہیں سے حضرت عمر کو خط لکھا
کہ فسطاط فتح ہو چکا۔ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجیں بڑھائی جائیں۔ وہاں سے منظوری آئی عمرو
نے کوچ کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمرو کے خیمہ میں ایک کبوتر نے گھونسلا بنا لیا تھا۔ خیمہ اکھاڑا جانے لگا
تو عمرو کی نگاہ پڑی۔ حکم دیا کہ اسکو یہیں رہنے دو کہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے۔ چونکہ
عربی میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں اور عمرو نے اسکندریہ سے واپس آکر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا

اس لئے خود شہر بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے۔ بہر حال ۲۱ھ میں عمروؓ نے اسکندریہ کا رُخ کیا۔ اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان میں رومیوں کی جو آبادیاں تھیں اُنھوں نے سدّ راہ ہونا چاہا چنانچہ ایک جماعتِ عظیم سے جس میں ہزاروں قبطی بھی شامل تھے فسطاط کی طرف بڑھے کہ مُسلمانوں کو وہیں روک لیں۔ مقام کریوں میں دونوں حریفوں کا سامنا ہوا۔ مُسلمانوں نے نہایت طیش میں آکر جنگ کی اور بیشمار عیسائی مارے گئے۔ پھر کسی نے روک ٹوک کی جرأت نہ کی۔ اور عمروؓ نے اسکندریہ پہنچکر دم لیا۔ مقوقس جزیہ دیکر صلح کرنا چاہتا تھا۔ لیکن رومیوں کے ڈر سے نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم یہ درخواست کی کہ ایک مدّتِ مُعین کے لیے صلح ہو جائے۔ عمروؓ نے انکار کیا۔ مقوقس نے مُسلمانوں کے مرعوب کرنے کے لئے شہر کے تمام آدمیوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگاکر شہر پناہ کی فصیل پر مُسلمانوں کے آمنے سامنے صف جماکر کھڑے ہوں۔ عورتیں بھی اس حکم میں داخل تھیں اور اس غرض سے کہ پہچانی نہ جا سکیں اُنھوں نے شہر کی طرف مُنھ کر لیا تھا۔ عمروؓ نے کہلا بھیجا کہ ہم تمھارا مطلب سمجھے لیکن تم کو معلوم نہیں کہ ہم نے اَب تک جو ملک فتح کیے کثرتِ فوج کے بَل پر نہیں کیے۔ تمھارا بادشاہ ہرقل جس سرو سامان سے ہمارے مقابلے کو آیا تم کو معلوم ہے اور جو نتیجہ ہوا وہ بھی مخفی نہیں۔" مقوقس نے کہا "سچ ہے یہی عرب ہیں جنھوں نے ہمارے بادشاہ کو قسطنطنیہ پہنچاکر چھوڑا۔" اسپر رومی سردار نہایت غضبناک ہوئے۔ مقوقس کو بہت بُرا بھلا کہا اور لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔

مقوقس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی۔ اُس نے عمروؓ سے اقرار لے لیا تھا کہ چونکہ میں رومیوں سے الگ ہوں۔ اسوجہ سے میری قوم (یعنی قبطی) کو تمھارے ہاتھ سے ضرر نہ پہنچنے پائے" قبطیوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس معرکہ میں دونوں سے الگ رہے بلکہ مُسلمانوں کو بہت کچھ مدد دی

ؔ۱ فتوح البلدان صفحہ ۲۲۲۔

فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے آگے پلوں کی مرمت کرتے اور سڑکیں بناتے گئے۔ خود اسکندریہ کے محاصرہ میں بھی رسد وغیرہ کا انتظام انہی کی بدولت ہوسکا۔ رومی کبھی کبھی قلعہ سے باہر نکل نکل کر لڑتے تھے۔ ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا۔ تیر و خدنگ سے گزر کر تلوار کی نوبت آئی۔ ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا کہ جسکو دعویٰ ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے۔ مسلمہ بن خالد نے گھوڑا اٹھایا۔ رومی نے انکو زمین پر دے پٹکا۔ اور جھک کر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے آکر جان بچائی۔ عمروؓ کو اسپر اس قدر غصہ آیا کہ متانت ایک طرف مسلمہ کے رتبہ کا بھی پاس نہ کرکے کہا کہ "زنخوں کو میدان جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے" مسلمہ کو نہایت ناگوار ہوا لیکن مصلحت کے لحاظ سے کچھ نہ کہا۔

لڑائی کا زور اسی طرح قائم تھا۔ آخر مسلمانوں نے اس طرح دل توڑ کر حملہ کیا کہ رومیوں کو دباتے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے۔ دیر تک قلعہ کے صحن میں معرکہ رہا آخر میں رومیوں نے سنبھل کر ایک ساتھ حملہ کیا اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازے بند کر دیے۔ اتفاق یہ کہ عمرو بن عاص اور مسلمہ اور دو شخص اور اندر رہ گئے۔ رومیوں نے ان لوگوں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا لیکن جب ان لوگوں نے مردانہ جان دینی چاہی تو انھوں نے کہا دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو نکلے۔ اگر ہمارا آدمی مارا گیا۔ تو ہم تمکو چھوڑ دیں گے کہ قلعہ سے نکل جاؤ۔ اور تمہارا آدمی مارا جائے تو تم سب ہتھیار ڈال دو۔ عمرو بن العاص نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور خود مقابلے کے لیے نکلنا چاہا۔ مسلمہ نے روکا کہ تم فوج کے سردار ہو۔ تم پہ آنچ آئی تو انتظام میں خلل ہوگا۔ یہ کہکر گھوڑا بڑھایا۔ رومی بھی ہتھیار سنبھال چکا تھا۔ دیر تک وار ہوتے رہے۔ بالآخر مسلمہ نے ایک ہاتھ مارا کہ رومی وہیں ڈھیر ہوکر رہگیا۔ رومیوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں کوئی سردار ہے انھوں نے اقرار کے موافق قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور سب صحیح سلامت باہر نکل آئے۔ عمروؓ نے مسلمہ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی اور

انھوں نے نہایت صاف دل سے معاف کر دیا۔[1]

محاصرہ جسقدر طول کھینچتا جاتا تھا حضرت عمرؓ کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔ چنانچہ عمروؓ کو خط لکھا کہ شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے۔ ورنہ فتح میں اسقدر دیر نہ ہوتی۔ جسدن میرا خط پہنچے۔ تمام فوج کو جمع کر کے جہاد پر خطبہ دو اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جنکو میں نے افسر کر کے بھیجا تھا فوج کے آگے ہوں اور تمام فوج ایک دفعہ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ عمروؓ نے تمام فوج کو یکجا کر کے خطبہ پڑھا اور ایک پُراثر تقریر کی کہ بجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے۔ عبادہ بن صامتؓ کو جو برسوں رسول اللہ کی صحبت میں رہے تھے بلا کر کہا کہ اپنا نیزہ مجکو دیجئے۔ خود سر سے عمامہ اُتارا اور نیزہ پر لگا کر اُنکو حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں۔ زبیر بن العوام اور مسلمہ بن مخلد کو فوج کا ہراول کیا غرض اس سروسامان سے قلعہ پر دھاوا ہوا اور پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا عمروؓ نے اُسیوقت معاویہ بن خدیج کو بلا کر کہا کہ جسقدر تیز جاسکو جاؤ اور امیرالمومنین کو مژدہ فتح سناؤ۔ معاویہ اونٹنی پر سوار ہوئے اور دو منزلہ سہ منزلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ چونکہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے بارگاہ خلافت میں نہ گئے سیدھے مسجد نبوی کا رُخ کیا اتفاق سے حضرت عمرؓ کی لونڈی اُدھر آنکلی اور اُن کو مسافر کی ہیئت میں دیکھ کر پوچھا کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے کہا۔ اسکندریہ سے۔ اُس نے اُسیوقت جا کر خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی کہ چلو تم کو امیرالمومنین بلاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ اتنا بھی انتظار نہیں کر سکتے تھے خود چلنے کے لیے تیار ہوئے اور چادر سنبھال رہے تھے کہ معاویہ پہنچ گئے۔ فتح کا حال سنکر زمین پر گرے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ اُٹھ کر مسجد میں آئے اور منادی کرادی کہ الصَّلٰوۃ جامعۃ۔ سنتے ہی تمام مدینہ اُمنڈ آیا۔ معاویہ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کیے۔ وہاں سے اُٹھ کر حضرت عمرؓ کے ساتھ اُن کے گھر

[1] مقریزی صفحہ ۱۶۴ و ۱۶۵ جلد اول۔

پڑ گئے - حضرت عمرؓ نے لونڈی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے - وہ روٹی اور روغن زیتون لائی - مہمان کے آگے رکھا اور کہا کہ آنے کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے؟ انھوں نے کہا میں نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے شاید آپ سوتے ہوں! فرمایا کہ افسوس! تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون سنبھالیگا۔[۱]

عمروؓ اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط کو واپس گئے اور وہاں شہر بسانا چاہا - الگ الگ قطعے متعین کیے اور جامع بنیاد ڈالکر عرب کی سادہ وضع کی عمارتیں تیار کرائیں تفصیل اسکی دوسرے حصے میں آئیگی -

اسکندریہ اور فسطاط کے بعد اگرچہ برابر کا کوئی حریف نہیں رہا تھا تاہم چونکہ مصر کے تمام اضلاع میں رومی پھیلے ہوئے تھے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کیں کہ آئندہ کسی خطرے کا احتمال نہ رہ جائے - چنانچہ خارجہ بن حذافۃ العدوی - فیوم - اشمونین - اخمیم - بشرودات - صعید اور اس کے تمام مضافات میں چکر لگا آئے اور ہر جگہ کے لوگوں نے خوشی سے جزیہ دینا قبول کیا - اسی طرح عمیر بن وہب الجمحی نے تنیس - دمیاط - تونہ - دمیرہ - شطا - دقہلہ - بنا - بوصیر کو مسخر کیا - عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کے تمام نشیبی حصے فتح کیے۔[۲]

چونکہ ان لڑائیوں میں نہایت کثرت سے قبطی گرفتار ہوئے تھے - عمروؓ نے دربار خلافت کو لکھا کہ ان کی نسبت کیا کیا جائے - حضرت عمرؓ نے جواب لکھا کہ سب کو بلا کر کہدو کہ ان کو اختیار ہے مسلمان ہوجائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں - اسلام قبول کریں گے تو انکو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں ورنہ جزیہ دینا ہوگا جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے - عمروؓ نے تمام قیدی جو تعداد میں ہزاروں سے زیادہ تھے ایک جا جمع کیے - عیسائی سرداروں کو بھی طلب کیا

۱؎ یہ تمام تفصیل مقریزی سے لیگئی ہے ۱۲ ۲؎ فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶۔

اور مسلمان و عیسائی الگ الگ ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے۔ بیچ میں قیدیوں کا گروہ تھا۔ فرمان خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے جو مسلمانوں میں رہکر اسلام کے ذوق سے آشنا ہو گئے تھے اسلام قبول کیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو تمام مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے تھے۔ اور خوشی سے نیچے جاتے تھے اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیوں میں مبارکباد کا غل پڑتا تھا اور مسلمان اسقدر غمزدہ ہوتے تھے کہ انکے آنسو نکل پڑتے تھے۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور دونوں فریق اپنے اپنے حصہٴ رسدی کے موافق کامیاب آئے[1]۔

حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ مطابق ۶۴۴ء

(کل مدت خلافت ۱۰ برس ۶ مہینے چار دن)

مدینہ منورہ میں فیروز نام ایک پارسی غلام تھا جسکی کنیت ابو لولو تھی۔ اُس نے ایک دن حضرت عمرؓ سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ ابن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے تعداد پوچھی۔ اُس نے کہا روزانہ دو درہم (قریباً سات آنے) حضرت عمرؓ نے پوچھا تو کون سا پیشہ کرتا ہے" بولا کہ "نجاری۔ نقاشی۔ آہنگری"۔ فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے"۔ فیروز۔ دل میں سخت ناراض ہو کر چلا آیا۔

دوسرے دن حضرت عمرؓ صبح کی نماز کے لئے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا حضرت عمرؓ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں۔ جب صفیں سیدھی ہو چکتی تھیں تو حضرت عمرؓ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اُس دن بھی حسب

[1] طبری صفحہ ۲۵۸۲ و ۲۵۸۳۔

معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمرؓ امامت کے لیے بڑھے اور جوں ہی نماز شروع کی۔ فیروز نے دفعتہ گھات میں سے نکل کر چھ وار کیے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمرؓ نے فوراً عبدالرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

عبدالرحمن بن عوف نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمرؓ سامنے لبسمل پڑے تھے۔ فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن بالآخر پکڑ لیا گیا اور ساتھ ہی اس نے خودکشی کر لی۔ حضرت عمرؓ کو لوگ اٹھا کر گھر لائے سب سے پہلے انھوں نے پوچھا کہ "میرا قاتل کون تھا"؟ لوگوں نے کہا فیروز۔ فرمایا کہ "الحمد للہ کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا"۔ لوگوں کو خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں ہے۔ غالباً شفا ہو جائے چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا اس نے نبیذ اور دودھ پلایا اور دونوں چیزیں زخم کی راہ باہر نکل آئیں۔ اسوقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ "اب آپ اپنا ولی عہد منتخب کر جائیے"!

حضرت عمرؓ نے عبداللہ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ "عائشہؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمر آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہ کے پہلو میں دفن کیا جائے"۔ عبداللہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے۔ وہ رو رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ "اس جگہ کو میں اپنے لیے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن آج میں عمر کو اپنے آپ پر ترجیح دوں گی"۔ عبداللہ واپس آئے۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ کو خبر کی۔ بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے؟ انھوں نے کہا کہ جو آپ چاہتے تھے۔ فرمایا کہ "یہی سب سے بڑی آرزو تھی"۔ اس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ تمام صحابہ بار بار حضرت عمرؓ سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جائیے۔ حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اسکو سوچا کرتے تھے۔ بارہا لوگوں نے انکو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے

باب میں غلطیاں پیچیاں ہیں۔

"مدت کے غور و فکر پر بھی اُن کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی۔ بارہا اُن کے مُونھ سے بیساختہ آہ نکل گئی کہ "افسوس اس بارِگراں کا کوئی اُٹھانیوالا نظر نہیں آتا" تمام صحابہ میں اُسوقت چھ شخص تھے جنپر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ علی۔ عثمان۔ زبیر۔ طلحہ۔ سعد وقاصؓ۔ عبدالرحمن بن عوفؓ۔ لیکن حضرت عمر اِن سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے۔ اور اُسکا اُنھوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کردیا

سلہ حضرت عمرؓ نے اور بزرگوں کی نسبت جو خوردہ گیریاں کیں گو ہم نے اُن کو ادب سے نہیں لکھا لیکن اُن میں جائے کلام نہیں۔ البتہ حضرت علی کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمر کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ "اُن کے مزاج میں ظرافت ہے"۔ یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی ظریف تھے مگر اُسیقدر جتنا ایک لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح اُن کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ علامہ طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمرؓ کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کیے ہیں ہم اُنکو اس موقع پر اس لیے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمرؓ کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہوگا۔ مکالمہ عبداللہ ابن عباس سے ہوا تھا جو حضرت علیؓ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمر۔ کیوں عبداللہ ابن عباس! علی ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے ؟

عبداللہ ابن عباس۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر۔ تمہارے باپ رسول اللہ کے چچا اور تم رسول اللہ کے چچیرے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی ؟

عبداللہ ابن عباس۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

عبداللہ ابن عباس۔ کیوں ؟

حضرت عمر۔ وہ یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکرؓ نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی اگر وہ تم کو خلافت

تھا، چنانچہ طبری وغیرہ میں اُن کے ریمارک بتفصیل مذکور ہیں، مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علی کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے اُنکی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔

غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ "ان چھ شخصوں میں جسکی نسبت کثرت رائے ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے"

(متعلقہ صفحہ ۱۷۰) دینا بھی چاہتے تو اُن کا ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوتا۔

دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گزریں کچھ نئی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

حضرت عمر۔ کیوں عبداللہ ابن عباس! تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سُنا کرتا تھا لیکن میں نے اس خیال سے اسکی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے"

عبداللہ ابن عباس۔ وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمر۔ میں نے سُنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسدًا اور ظلمًا چھین لی۔

عبداللہ ابن عباس۔ ظلمًا کی نسبت تو میں نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں لیکن حسدًا۔ تو اسکا تعجب کیا ہے ابلیس نے آدم پر حسد کیا اور ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں۔ پھر محسود رہوں تو کیا تعجب ہے؟

حضرت عمر۔ افسوس بنی ہاشم کے دلوں سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ ابن عباس۔ ایسی بات نہ کہئے۔ رسول اللہ صلعم بھی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمر۔ اس تذکرہ کو جانے دو۔

عبداللہ ابن عباس۔ بہت مناسب ہے (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۲۷۶۸ تا ۲۷۷۱)

ان مکالمات سے علاوہ اصل واقعہ کے۔ تم یہ بات کا بھی اندازہ کر سکو گے کہ حضرت عمر کے مبارک عہد میں لوگ کس دلیری اور بیباکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ اور یہ زیادہ تر اسوجہ سے تھا کہ حضرت عمر خود آزادی اور حق گوئی کو قوم میں پھیلانا چاہتے تھے۔

۱؎ طبری صفحہ ۲۷۷۷۔

حضرت عمرؓ کو قوم اور ملک کی بہبودی کا جو خیال تھا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین کرب و تکلیف کی حالت میں جہانتک انکی قوت اور حواس نے یاری دی اسی دھن میں مصروف رہے۔ لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو اسکو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھے۔ مہاجرین۔ انصار۔ اعراب وہ اہل عرب جو اور شہروں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ اہل ذمہ (یعنی عیسائی۔ یہودی۔ پارسی جو اسلام کی رعایا تھے) پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں جو الفاظ کہے وہ یہ تھے "میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول اللہ کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے یعنی اہل ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور ان کو انکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے" قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ عبداللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ مجھ پر کسقدر قرض ہے؟ معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم۔ فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے۔ لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلیف نہ دینا" یہ صحیح بخاری کی روایت ہے (دیکھو کتاب المناقب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان) لیکن عمر بن شبہ نے کتاب المدینہ میں بسند صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمر کے غلام تھے کہتے تھے کہ عمر پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا؟ حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصہ وراثت کو ایک لاکھ پر بیچا تھا" حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر پر چھیاسی ہزار کا قرض ضرور تھا لیکن وہ اسطرح ادا کیا گیا کہ انکا مسکونہ مکان بیچ ڈالا گیا جسکو امیر معاویہ نے خرید لیا۔ یہ مکان باب السلام اور باب الرحمۃ کے بیچ میں واقع تھا اور اس مناسبت سے کہ اس سے قرض ادا کیا گیا ایک مدت تک دار القضاء کے نام سے مشہور رہا چنانچہ خلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ میں یہ قصہ بتفصیل مذکور ہے۔ حضرت عمر نے تین دن کے بعد انتقال کیا اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے نماز جنازہ صہیب نے پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمن۔ حضرت علی۔ حضرت عثمان۔ طلحہ۔ سعد وقاص۔ عبدالرحمن بن عوف نے قبر میں اتارا اور وہ آفتاب عالمتاب خاک میں چھپ گیا۔

تمام شد

۱ [illegible] مطبوعہ مصر صفحہ ۳۳ [illegible] کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۹ و ۱۲۹